۱۱۲۹

تحریر فیلسوف گرامی قدر السید مجتبیٰ الموسوی دام عزہ

آخری رسولؐ

ترجمہ
السید حسین مہدی الحسینی

اسم کتاب آخری رسولؐ
مصنف فیلسوف گرامی قدر السید مجتبیٰ الموسوی۔ دام عزہ
مترجم السید حسین مہدی الحسینی
تعداد پانچ ہزار
سن طباعت مارچ سنہ ۱۹۸۶ء
کاتب۔۔۔۔ سید رضی حیدر رضوی و رضی الحسن حیدری ہندی
چاپ و صحافی : چاپخانہ دفتر نشر فرہنگ اسلامی
قیمت ۱۰۰ ریال

ملنے کے پتے

۱۔ مدرسۃ الواعظین ۱۶ گیننگ اسٹریٹ لکھنؤ، ہندوستان
۲۔ جوادیہ عربی کالج پرھلاد گھاٹ بنارس، ہندوستان

اھداء

سیدی! اپنی گناہوں اور غفلتوں کے سبب
جرأت نہیں پاتا کہ اپنے کو آپ کا شیعہ کہوں ـــ ہاں آپ
کے دشمنوں کا دشمن ضرور ہوں ـــ بے رحم زمانہ آنکھیں
دکھاتا رہتا ہے، گھبرا کر جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو آپ
کی آواز ٹکراتی ہے ـــ اناّ غیر مھملین لمراعاتکم و
لاناسین لذکرکم[1] ڈوبتا ہوا دل ٹھہر جاتا ہے
مولائی ـــ شاید جب آپ تشریف لائیں تو میں نہ رہوں
مگر اے فخر عیسیٰ مجھے گوشۂ قبر سے بلا لیجئے گا۔
آپ کی نگاہ شفقت کا آرزومند ہوتے ہوئے
یہ ناچیز ہدیہ نذر کر رہا ہوں۔

عبیدکم
السید حسین مھدی الحسینی

---

[1] گھبراؤ نہیں میں تمہیں بھولا نہیں ہوں۔

اپنی بات

ــــــــــ ہمیشہ کوشش یہی کرتا ہوں کہ ترجمہ ہو یا مضمون اشاعت سے پہلے دوبارہ دیکھ لوں یا کسی معتبر و مستند نظر سے گذار دوں لیکن درسیات و مباحثات کے بعد اس کا وقت نہیں مل پاتا کہ میں خود نظر ثانی کر سکوں اور نہ قم میں کوئی ایسا موجود ہے جس سے اصلاح لی جا سکے۔

یہ کتاب بھی کچھ انہیں حالات میں ترجمہ کے مرحلوں سے گذری جس کا تذکرہ ــــــ "کربلا کی کہانی حسینؑ کی زبانی" میں کر چکا ہوں۔ ترجمہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اسے تو اہل قلم ہی بتا سکتے ہیں۔

ضدی و مغرور ہیں وہ لوگ جو غلطیوں کے بعد اعتراف خطا نہیں کرتے خدا کا شکر ہے میں نہ ضدی ہوں نہ مغرور۔

ہر کتاب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور ہوتی ہیں حاسد و بد دیانت ہیں وہ افراد جو غلطیوں کی گرفت کے بعد مترجم و مصنف کو متوجہ نہیں کرتے بلکہ اپنی علمی برتری کے اظہار کیلئے

حلقہ بگوشوں میں مشتہر کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ کتاب کے پڑھنے والے مجھے میری غلطیوں سے ضرور مطلع کریں گے۔

اے کریم —— حیات کے آخری لمحوں تک صحت مند جسم کے ساتھ اپنی بندگی کا شرف اور زبان رسا میں محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فضائل و مصائب کے بیان کی سعادت کرامت فرما۔

دریوزۂ در اہلبیتؑ
حسین مہدی الحسینی
قم المکرمہ۔ ایران
۲۳؍رجب ۱۴۰۶ھ

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

ہواؤں کے دوش اور دریاؤں کی آغوش

میں محو سفر انسان اپنی ارتقاء کا دار مدار ہر قسم کے دینی و مذہبی عقائد و افکار کے انکار ہی میں تصور کر رہا ہے۔ عصری ایجادات و ضروریات نے اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ گذشتہ ادیان آج کے بشری تقاضوں کے سامنے دم توڑ چکے ہیں، اس کتاب میں اسلام و قرآن کی ہمہ گیریت و آفاقیت سے متعلق ان اعترافات کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے جو مادہ پرستوں کی زبان و قلم سے سننے اور پڑھنے میں آئے ہیں۔

مجھے امید ہے یہ کتاب عوامی فائدہ کا سبب ہوگی۔ کریم ــــ مصنف و مترجم کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ناشر

قم المقدسہ

پرتوِ رسالت

بسم اللہ ولہ الحمد

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات، زمانہ بعثت اور انداز تبلیغ کی خبر حضرات انبیا، ومرسلین علیہم السلام نے اپنے زمانے والوں کو اپنی اپنی کتابوں کے ذریعہ دیدیا تھا۔

جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:۔

الذین اٰتینا ھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون۔[1]

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یہود ونصاریٰ) وہ میرے محمدؐ اور اس کی حقانیت کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو لیکن ان میں کچھ عناد ودشمنی کیوجہ سے حق کو چھپاتے ہیں۔"

اسوقت کے پرآشوب ماحول میں جب اخلاقی وثقافتی پستی اور ہر قسم کی بت پرستی نے مادرگیتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، زمین پر بکھرے

---

(۱) بقرہ آیت ۱۴۶

ہوئے الہی و آسمانی مذہب کے ماننے والے امتداد زمانہ کے سبب دین کی صحیح شکل کے بدل جانے اور کسی ذی استعداد رہبر کے نہ ہونے کی وجہ سے جمود و سکوت کا شکار ہو چکے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ زندگی کے بنیادی و اساسی مسائل سے بھی محروم تھے کوئی امید نہ تھی کہ ان بے جان ڈھانچوں میں زندگی اور ساکت و راکد رگوں میں روانی پیدا ہوگی ۔

یہی وجہ تھی کہ اہل کتاب ایک غیر معمولی تبدیلی و تغیر کی آس لگائے ہوئے کسی ایسی شخصیت کے انتظار میں تھے جو رشد و ہدایت کے عظیم بار کو اپنے مضبوط کاندھوں پر اٹھائے ہوئے سماج و معاشرہ کو پست و ذلیل نظام سے نکال کر ترقی یافتہ قانون کے حوالہ کر دے ۔

مختصر۔ انسان بدامنی اور سراسیمگی کے عالم میں بسر کر رہا تھا مسموم فضا میں سانسیں لے رہا تھا اور لو لگائے ہوئے تھا کہ غیب سے کوئی نمودار ہو کر فرسودہ نظام کے ایوان کو منہدم کرے اور ہمارے لئے قانون جدید کا قصر حسین تعمیر کرے ۔

ایسا پر آشوب دور تھا جب ہر مکتب خیال کے برآوردہ

افراد کسی نہ کسی اعتبار سے ہرج و مرج، بدامنی و ناراحتی کا شکار تھے۔ قوم عرب جغرافیائی اعتبار سے بر ثروت مند و شہ زور ملک کے لیے چہار سو کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کی وسیع و عریض زمین سے سبھی تجارتی کارواں کا گذر ہوتا تھا۔ عرب اپنی ہمسایہ بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں روز بروز ضعف و ناطاقتی محسوس کر رہے تھے۔

ہر دور اندیش و اہل نظر عربوں کی اندرون ملک منظّم حکومت کے فقدان، سرگرم عمل پارٹی کے نہ ہونے، اور بیرون ملک بڑی طاقتوں کی دھمکیوں سے اندازہ لگا رہا تھا کہ یہ قوم بہت جلد فنا و برباد ہو جائے گی، ایسے حالات میں انسانیت کا کھیون ہارا بنکر محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۱۷ ربیع الاول ۵۳ قبل از ہجرت بروز جمعہ قریب سحر سرزمین مکہ پر نمودار ہوئے۔ [1]

سرزمین مکہ جسکی فضا میں آدمیت کا دم گھٹ رہا تھا جو دنیا میں مریض و لپست معاشرہ کی نمایاں مثال تھی جسکی آغوش میں جہالت پروان چڑھ رہی تھی، اہل دانش و بینش سسک سسک کر گمنام، اور آدمیت و انسانیت منزلوں میں تہہ نشیں ہو چکی تھی۔

---
[1] ۵۷۰ء

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی نورانیت بشریت کے اُفق پر ضو، بار ہوگئی۔ شعور وفکر کو ان کے وجود سے تابانی ملی، ان کی ذات انسانوں کیلئے سعی پیہم، تلاش مسلسل اور ابدی سرگرمی عمل کا سبب قرار پائی۔

آنحضرتؐ کے صفات وامتیازات میں نہ کوئی ان کا شریک تھا اور نہ انکی عظمت ورفعت تک کسی کی رسائی۔ ان کی ولادت نے انتظار کی طولانی شب کو امید کی سحر میں بدل دیا ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب سماج ومعاشرہ کو پورے طور سے ان کی ضرورت تھی۔ کرۂ ارض کے سارے انسانوں میں آنحضرتؐ کے استقبال کی اُمنگ پائی جارہی تھی، چرخ کہن کے سایہ میں پلنے والے کسی ایسی ہی شخصیت کو ڈھونڈھ رہے تھے جو گھٹاٹوپ تاریکی میں انکی دستگیر ہو سکے۔

چرخ کہن اپنی قدامت وکہنگی کے باوجود آنحضرتؐ جیسی بےنقص وبےعیب ذات کے پیدا کرنے سے قاصر تھا۔

تاریخ شاہد ہے آغوش آمنہ میں پیدا ہونے والے بلند اقبال نوزاد کی نورانیت نے تمام عالم کو منور کر دیا اور ساری کائنات کو علمی ومعنوی تدبر وتفکر کی راہ پر لگا دیا۔

وہ ایسا مولود تھا جس نے لوگوں کو قیصر و کسریٰ جیسی "سپر قوتوں" (Super Power) کے سامنے خاکساری و عاجزی کرنیکے بجائے انھیں عزت نفس و زندہ ضمیری کا درس دیا اور ان کی سوئی ہوئی ذھنیت اور خوابیدہ فکروں کو جھنجھوڑا ۔

وہ ایسی شخصیت تھا ۔۔۔ جس نے انسانیت کے اعلیٰ وارفع آستانہ سے بتوں کو توڑا اور حقیقت توحید سے روشناس کرایا " عزت کی زندگی اور عزت کی موت کے فلسفہ سے آشنا کیا ۔ اس نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ بت پرستی کو خدا پرستی اور جہالت و بے خبری کو علم و آگاہی میں تبدیل کر دیا ۔ حاسد و کینہ پرور کو اتحاد و دوستی و اخوت و مہربانی کا خوگر بنا دیا آخر ایک دن وہ آہی گیا فتنہ و فساد ' جہل و نادانی کے پروردہ حاصل کائنات بنکر ابھر گئے

آنحضرت ؐ کے والد ماجد جناب عبداللہؑ نسل اسماعیلؑ کے ان باحوصلہ و جری افراد میں تھے جن کا قلب انسانی مہر و وفا ، رحمت و شفقت سے مملو تھا ۔ جناب آمنہ سے ازدواج کیا زمانہ حمل تھا کہ انھیں تجارتی قافلہ کے ہمراہ مکہ سے شام کے لئے روانہ ہونا پڑا ۔۔۔ جناب آمنہ واپسی کی گھڑیاں گن رہی تھیں ۔۔۔ مگر افسوس راہ میں

جناب عبداللہؑ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا موت وحیات میں کشمکش جاری رہی دیارِ غربت میں موت نے بیمار پر فتح پائی وطن سے دور حیات کا سفینہ موت کے متلاطم دریا میں ہمیشہ کیلئے تہ نشین ہوگیا اور جناب عبداللہ اپنے فرزند کی ولادت کی آرزو آمنہ کی ملاقات کا جذبہ لئے ہوئے دنیا سے کوچ کر گئے اور اپنی نگاہوں کو فانی دنیا کی چمک دمک سے ہمیشہ کیلئے موڑ لیا۔

تقدیر نے جناب آمنہ کو ازدواج کے سولہویں برس بیوگی کا لباس پہنا دیا۔

اس دردناک حادثہ کے بعد آنحضرتؐ کے جد بزرگوار جناب عبدالمطلب نے اپنی بہو کی سرپرستی فرمائی" اپنے پوتے کی پرورش کے لئے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں کا انتخاب کرنا چاہتے تھے تاکہ بچہ دیہات کی کھلی فضا میں اچھی طرح نشوونما پا سکے اسی تصور میں تھے کہ قبیلہ بنی سعد کی عورتیں مکہ پہونچیں حلیمہ سعدیہ نامی پاک طینت خاتون نے جناب مرسل اعظمؐ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۲

جناب حلیمہ آنحضرتؐ کو لیکر دیہات واپس ہوئیں۔
سن رضاعت تک دودھ پلاتی رہیں لیکن جناب عبدالمطلب نے سن رضاعت کے خاتمہ کے بعد بھی آنحضرتؐ کو قبیلہ بنی سعد کے درمیان رکھا اور یہ سلسلہ پانچ سال تک چلتا رہا۔

جناب حلیمہ اس مدت میں پورے طور سے اپنے فریضہ کو انجام دیتی رہیں۔ سُننے والے آنحضرتؐ سے اسی جگہ فصیح و بلیغ عربی جملے سُن رہے تھے۔ اس پنج سالہ مدت میں صرف دو یا تین بار جناب حلیمہ آنحضرتؐ کو مکہ لائی تھیں۔

جناب آمنہ نے ایک سال تک آنحضرتؐ کو اپنے پاس رکھا ان کی خواہش تھی کہ مکہ و یثرب کے درمیان کی آبادیوں میں سے کسی دایہ کا انتخاب ہو جو آنحضرتؐ کی ضروریات کو پورا کر سکے اسی تصور میں اپنے بلند اقبال فرزند کو لیے ہوئے مکہ معظمہ سے روانہ ہوئیں ــــ لیکن راہ میں جناب آمنہ سلام اللہ علیہا پر بھی شدید بیماری کا حملہ ہوا اور عارضی سفر دائمی سفر میں بدل گیا۔

جائے انتقال پر تجہیز و تکفین ہوئی یتیموں کا سرپرست شکستہ دلوں کا غمخوار، خود عمر کے چھٹے سال ماں کی شفقت سے محروم

ہوگیا۔

لق و دق صحرا میں شفقت و محبت کے پیکر کو دفن کر کے مرسل اعظمؐ وطن واپس ہوئے۔ [1]

آنحضرتؐ کے جد بزرگوار حضرت عبدالمطلب نے جناب آمنہ کی وفات کے بعد مرسل اعظمؐ کو اپنی سرپرستی میں رکھا اور جب تک زندہ رہے باپ کی محرومی، ماں کے فراق کا احساس آنحضرتؐ کو ہونے نہ دیا۔

لیکن جناب عبدالمطلب کی مہر و محبت یتیم عبداللہ کیلئے دیرپا نہ ہو سکی۔ ابھی آٹھواں ہی سال تھا کہ جناب عبدالمطلب کا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا اور آنحضرتؐ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ دادا کی جدائی کا صدمہ یتیم عبداللہ کے جسم نازنین سے ظاہر تھا لیکن اس کے باوجود روح توانا میں کوئی اضطراب و ہیجان نہ تھا۔

کریم نے ہر مصیبت کے تحمل کی قوت عطا فرمادی تھی تاکہ جو کل یتیموں کا باپ بننے والا ہے ہر رنج والم سے آشنا رہے ضروری تھا

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۷۹

کہ بچپنے ہی سے ہر قسم کی محرومیت و مصیبت سے دوچار ہو چکا ہو تاکہ حالات کے برداشت کرنے کے لئے ہمالہ سا حوصلہ اور نہ متزلزل ہونے والا عزم رکھتے ہوئے رسالت کے عظیم بار کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکے کیونکہ دشواریوں اور رکاوٹوں کے مقابلہ میں پامردی و جوانمردی سے گذر جانا ہی باحوصلہ انسان اور شاہکار عالم ہونے کی دلیل ہے ۔

اپنے جد کی دائمی مفارقت کے بعد بچہ یتیم اپنے حقیقی چچا جناب ابو طالبؑ جو اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت انسان اور قابل احترام ہستی تھے ـــــــ کہ نگرانی و کفالت میں آیا ۔

شب و روز یوں ہی گذرتے رہے کہ اچانک ایک دن آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ ان کے چچا جناب ابو طالبؑ عازم ملکِ شام ہیں ۔

مرسل اعظمؐ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ۔

"میری خواہش ہے کہ آپ کے ہمراہ چلوں"۔

چونکہ آنحضرتؐ باعتبار سن ایسے نہ تھے کہ ایسے دور دراز سفر پر جا سکیں لہذا جناب ابو طالبؑ نے اپنے ہمراہ لے جانے سے روک دیا ۔ لیکن جس وقت ابو طالبؑ قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا چاہتے تھے کہ

مرسل اعظمؐ چچا کے سامنے آئے کاسۂ چشم آنسوؤں سے چھلک رہا تھا مرسل اعظمؐ کے مغموم چہرہ نے ابوطالبؑ کے جذبات میں ہیجان پیدا کردیا۔ چچا اپنے بھتیجے کو ہمراہ لے جانے پر مجبور ہوگیا۔ مرسل اعظمؐ کیلئے بارہ سال کی عمر میں دور و دراز ملکوں کا پہلا سفر تھا۔

ابھی قافلہ اپنی منزل پر نہ پہنچا تھا کہ قافلہ والوں کی مقام "بصری" پر عیسائیوں کے عالم بحیرا سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا اپنی عبادت گاہ میں مشغول عبادت تھا اپنی دقیق اطلاعات اور عمیق معلومات کی وجہ سے عیسائیوں کے نزدیک محترم ومعزز تھا۔

بحیرا کی نگاہ جس وقت یتیم عبداللہ پر پڑی جمال آنحضرتؐ نے اپنی طرف متوجہ کرلیا اور اس نے اپنی بصیرت کے سہارے اس راز کو معلوم کرلیا جو اس کے دل کے نہا خانہ میں چھپا ہوا تھا قافلہ والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔

یہ بچہ کس کے ہمراہ ہے؟۔

ابوطالبؑ کے قافلہ والوں نے جواب دیا۔

بحیرا ابوطالبؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ــــــ

ابوطالبؑ! یہ وہی بچہ ہے جسکی نبوت و رسالت کی خبر آسمانی کتابوں

میں آچکی ہے میں نے کتابوں میں جو علامتیں پڑھیں ہیں اس بچہ میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہی پیغمبر برحق ہے کہ جس کا نام، خاندان، کنیت، اور لقب کتابوں میں محفوظ ہے مجھے معلوم ہے کہ یہ عظیم انسان کہاں ظہور کرے گا اس کا نظام و قانون کس طرح عالمگیر ہوگا۔

ابو طالب ــــ ؟ تمہارا فریضہ ہے کہ اسے یہودیوں کی نظر سے چھپائے رکھو۔ اگر انھیں اس کی اطلاع ہو جائے گی تو قتل کر دیں گے۔" ؎۱

ارباب تاریخ نے آنحضرتؐ کے وجود میں گوناگون استعداد، قوت عمل، عزم و ارادہ، حوصلہ و استقامت، اور ہر وہ چیز مشاہدہ کی جو ایک قاید و رہبر کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ کوئی محقق و ریسرچ اسکالر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرتؐ اپنی حیات کے کسی دور میں معمولی سے معمولی اخلاقی و روحی انحراف کے مرتکب ہوئے ہوں بلکہ رسول اسلامؐ کے خصائل

؎۱ طبری ج ۱ ص ۳۴ ص ۳۳

وعادات واطوار نے ہر ان شخصیتوں کے کردار کو ماندکر دیا جنھوں نے اوراق تاریخ پر اپنا نقش چھوڑا ہے۔ بہر حال تاریخ کے پاس مرسل اعظمؐ کے لئے بال برابر بھی بے راہ روی، بدخوئی اور ناروا و نازیبا عمل کی سند نہیں۔

مسلمانوں کے عظیم الشان رہبر کی سرگذشت خواہ قبل از ولادت ہو یا بعد از ولادت، بچپنہ ہو یا جوانی، سفر ہو یا حضر، رزم ہو یا بزم، حجلۂ ازدواج ہو یا حلقۂ اصحاب، تاریخ کی کتابوں میں جلی حرفوں سے موجود ہے۔

تاریخ رطب اللسان ہے ـــــ جب عقاید فاسد کی سیاہ گھٹا پورے کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی اس وقت بھی مرسل اعظمؐ کی شخصیت ہر کدورت وکثافت سے پاک وصاف اور جاہلانہ رسم ورواج سے مبرّیٰ تھی۔

مرسل اعظمؐ نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی تھی اس وقت معاشرہ میں شرک و بت پرستی کا بھر پور رواج تھا۔ عرب دعوت توحید کے شدید مخالف تھے۔

باوجودیکہ آنحضرتؐ کی زندگی بعثت سے قبل تک ان لوگوں

کے درمیان گذری جو جاہل و بدکردار، بے دین اور ستم پیشہ تھے۔ انھیں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ تھوڑے سے وقفہ کے لئے دو بار صرف ان سے الگ ہوئے تھے اور دونوں ہی مرتبہ شام تشریف لے گئے۔ پہلی مرتبہ جناب ابو طالبؑ کے ہمرکاب تھے اور دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؑ کا کاروان تجارت آپ کی سرپرستی میں چل رہا تھا لیکن اس کے باوجود مرسل اعظمؐ کے طرز حیات اور معاشرہ کی رہن سہن میں کسی طرح کی مناسبت نہیں تھی۔ چونکہ نبی معاشرہ ساز ہوتا ہے، معاشرہ نبوت ساز نہیں۔ خدا معصوم بنا کر پیدا کرتا ہے خواہ آغاز بعثت کسی سن و سال میں ہو۔ حسینی

ایسے مسموم ماحول میں پیغمبر اسلامؐ کو سب سے زیادہ امانت، دیانت اور راست گوئی عزیز تھی۔

حضرت مرسل اعظمؐ نے اپنے اخلاق، اطوار اور حسن کردار کے ذریعہ سماج و معاشرہ کے مجبوروں اور کمزوروں کا دل جیت لیا تھا" دوست و دشمن سبھی متفق ہیں کہ اس صفت میں کوئی بھی مرسل اعظمؐ کا ہم پلّہ نہ ہو سکا۔

مثلاً:۔ زید بن حارثہ جو بچپنے میں اپنے گھر سے علاحدہ ہوئے

جناب خدیجہ نے غلام کے عنوان سے مرسل اعظمؐ کو بخش دیا۔ زید نے اپنی زندگی مرسل اعظمؐ کے دامن شفقت میں گذاری۔ ایک مدت کے بعد زید کا باپ اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلا لیکن زید غلام ہونے کے باوجود مرسل اعظمؐ کی محبت و شفقت، حسن کردار سے اس قدر متاثر ہو چکے تھے کہ مرسل اعظمؐ کے آزاد کر دینے کے باوجود آنحضرتؐ کی خدمت کو باپ کے ہمراہ جانے پر ترجیح دیا۔

دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والی گفتگو، عادلانہ فیصلے، عقل و دانش کی برتری، مافوق الفطرت، افکار و خیالات شب و روز آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے مشاہدہ ہو رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرسل اعظمؐ اپنی بعثت سے برسہا برس قبل عربوں میں " صادق " کے لقب سے پکارے جا رہے تھے [۱]

---

[۱] طبری ج ۲ ص ۱۱۳۸

ورقہ کی تقریر :-

بت پرستی کے اس ناپیداکنار اندھیرے میں کبھی کبھی توحید کا شہاب ثاقب نظر آجاتا تھا جس سے ایوان بت پرستی کی کثافتیں سامنے آجاتی تھیں اس کا ایک موقع اس وقت سامنے آیا جب قریش بہت جوش و انہماک سے بتوں کا طواف اور سجدہ کر رہے تھے۔ ورقہ بن نوفل جو بت پرستی کی مسموم فضا میں گھٹن محسوس کر رہے تھے باآواز بلند گویا ہوئے۔

> پتہ نہیں! کب تک اس برائی کا سلسلہ چلتا رہے گا؟
> نہیں معلوم! کب نجات کی سحر نمودار ہوگی؟ تمہیں کیا ہوگیا
> ہے کہ تم لوگوں نے اپنے جد ابراہیمؑ کے دین کو چھوڑ دیا؟
> ان پتھر کے بتوں کی حیثیت کیا ہے جن کا تم طواف
> کر رہے ہو؟ یہ نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں۔ ان میں نہ
> آثار حیات ہیں نہ یہ سود و زیاں پر قادر۔ (۱)

آنحضرتؐ اپنے باطنی افکار و خیالات اور اپنے دور کے ناسازگار

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۱

ماحول کی وجہ سے زیادہ تر گوشہ نشین رہا کرتے تھے ۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ گوشہ نشینی کے عادی تھے بلکہ معاشرہ کی بدحالی اور قدر انسانی کے زوال سے محزون و مغموم ہو کر خلوت نشین ہو کر اپنے بوجھ کو ہلکا کرتے ۔

مرسل اعظمؐ نے حالات کے تجزیہ میں نہ عجلت سے کام لیا اور نہ خواہشات بشری پر اعتماد کیا بلکہ وجود ہستی کی خوبیوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کی اصلاح و بقار کے لئے عاقلانہ و مدبرانہ قدم اٹھایا ۔

ماہ مبارک رمضان میں مکہ سے کچھ دور غار حرا میں تشریف لے جاتے اور سکون و سناٹے میں اپنے خالق سے راز و نیاز فرماتے تاکہ جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ ماحول کی کثافت و ضلالت سے دور رہ کر قرب الٰہی سے لطف اندوز ہوتے رہیں ۔

آنحضرتؐ نے اپنے سارے وجود کو صاحب جلال و جبروتِ پروردگار میں ضم کر دیا تھا ۔ روح کی گہرائی سے جو افکار اُبل رہے تھے یا نہان خانہ ہستی سے حکمت کی جو کرنیں پھوٹ رہی تھیں انھیں کو خود سازی کا ذریعہ قرار دے لیا تھا ۔

آنحضرتؐ کے رخِ انور سے جھلک رہا تھا کہ وہ مالکِ حقیقی سے شدید عشق و علاقہ رکھتے ہیں اور ہر شخص اسے محسوس کر رہا تھا کہ انہیں معاشرہ میں پھیلی ہوئی بت پرستی سے شدید دکھ پہنچ رہا ہے، ان کی زندگی شدائد و زحمات، رنج و الم کے باوجود حقیقت و حقانیت پر بسر ہو رہی تھی۔

جیسے جیسے آنحضرتؐ کا سن مبارک چالیس سال کے قریب پہنچ رہا تھا آپ کی رفتار و گفتار سے رسالت کی بو آ رہی تھی۔

گوشہ تنہائی میں جو سن رہے تھے یا جو کیفیات طاری ہو رہے تھے اس کا تذکرہ اپنی رفیق مقصد جناب خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے کرتے رہتے۔

باسمہ تعالیٰ

آغاز بعثت

آخر وہ وقت آہی گیا جس کی انبیاء علیہم السلام نے بہت قبل اپنے زمانے والوں کو خبر دی تھی یتیم عبداللہ نے چالیس سال کی عمر میں منصب الٰہی کو اپنے کاندھے پر اٹھایا

مرسل اعظم کی واحد ہستی تھی جسے زمانے نے رہبری عالم کیلئے منتخب کیا تھا صرف آپکی ہی ذات تھی جو اس عظیم ذمہ داری اور سنگین بار کو اپنے تمام خصوصیات و امتیازات کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی تھی

مرسل اعظم کی ذات گرامی رشد و ہدایت کے عظیم بار کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی استعداد رکھتی تھی اگر آنحضرت میں اس کی استعداد و صلاحیت نہ ہوتی تو پھر پوری کائنات میں کوئی اس کا اہل نہیں تھا یعنی اس مضطرب دنیا کے سکون کا واحد ذریعہ محمدؐ عربی کی ذات گرامی تھی

مرسل اعظم غار حرا کی آغوش میں مصروف طاعت و

بندگی تھے کہ ناگاہ ـــ یا محمدؐ ـــ کی بلند آواز نے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اقرء باسم ربک العظیم کے الٰہی حکم سے وحی کا آغاز ہوا یعنی الوھیت کے بحر بیکراں سے ایک موج اٹھی اور اس نے یتیم عبداللہ کے دھڑکتے دل کو علم و آگہی سے لبریز کر دیا

نور کی تابانی سے آنحضرت کا پورا وجود جگمگا اٹھا چہرہ اقدس سے نور کی کرن پھوٹ رہی تھی اور ماحول کی تاریکیاں دور۔ دور تک مٹ چکی تھیں

کیا تھا ـــ مرسل اعظم اپنے پہلو میں دردمند دل اور اپنے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بار گراں لئے غار حراء سے بیت الشرف کی طرف روانہ ہوئے تاکہ بنی نوع انسانی کے معلم اور بشریت کے قائد و رہبر کی حیثیت سے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ قصروں اور محلوں، کوچوں اور بازاروں میں زندگی گذارنے والوں کے درمیاں کا فرق مٹا سکیں

یہی وہ جذبہ تھا جس نے مرسل اعظم کے سکون و اطمینان کو اضطرب و بے چینی اور ہر قسم کی یکسوئی و دل بستگی کو غم و الم سوز و درد میں بدل دیا

سفر وحی کی پیہم آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا جبرئیلؑ حیرت انگیز و پر معنی آیات لیکر نازل ہوتے رہتے جو کلمات کی ترکیب، مفاھیم کی شگفتگی کے اعتبار سے نہ تو خود پیغمبر کے ارشادات سے ملتی تھیں اور نہ اس وقت کے شعراء و ادباء کے کلام سے مماثلت رکھتی تھیں۔

عرب اگرچہ لکھنے و پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی انمیں مورخ، فلسفی اور اہل دانش و بینش کا نام و نشان تھا لیکن ان سب کے باوجود شعری ذوق، فصاحت زبان و بیان میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے پیغمبر اسلام نے ایسے ادبی ماحول کے باوجود کبھی مجلس شعر و سخن میں شرکت نہیں فرمائی۔

آیات قرانی کا انداز شاھد ہے کہ انحضرت نے اپنی رسالت کے پہنچانے میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا بلکہ عوامی رجحانات و خیالات اور میلان کا لحاظ و پاس کئے بغیر ان پیغامات کو سناتے رہے جسکا انھیں حکم ملا تھا صلائے عام تھی کہ شریر و جاہل، تباہ و برباد قوم جو خود اپنے ہاتھوں کے تراشے بتوں کی پرستش کر رہی ہے اسکی حقیقی فلاح و نجات صرف اور صرف خدا کی توحید میں ہے۔

اثرات وحی

وہ اسباب و علل جس نے مرسل اعظم کو عمر کے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھنے کے بعد اس قدر جد وجہد پر آمادہ کیا اور پوری کائنات کے لئے خوش بختی و سعادت کا سرچشمہ قرار دیا وہ وحی کے سوا کچھ اور نہ تھا ورنہ نزول وحی سے پہلے ایسی کوئی آمادگی نہیں پائی جا رہی تھی جس سے عالمگیر انقلاب و تحول کی بو آتی رہی ہو پیغام آسمانی تھا جس نے جزیرہ عرب بلکہ ساری دنیا کو اچانک عظیم دھماکہ اور چونکا دینے والے انقلاب میں تبدیل کر دیا اور عرب کے تاریک ماحول اور بدبودار معاشرہ میں نورانیت و تازگی پیدا کردی۔ پیغام آسمانی (وحی) میں وہ سوز و گداز تھا کہ افکار و قلوب اس کی طرف کھنچے گئے اور کارواں انسانیت منزل کمال کیطرف رواں دواں ہو گئی۔

وحی نے ہر قسم کے خود ساختہ اصول اور کذب و دروغ کے ذریعہ تراشے ہوئے نظام کو جو عوامی نگاہوں میں بیحد مقبول، ممدوح تھے لغو قرار دیا اور باطل جو اپنے چہرہ پر حق کی نقاب ڈال کر انسانی اخلاق و اطوار کا جز قرار پا چکا تھا یا وہ معیار و طریقہ

جو انسانیت کی ارتقاء و بشریت کے کمال کا سبب سمجھا جاتا ہے
بدل کر رکھ دیا جہالت و نا دانستگی کے تار و پود بکھیر دیا،
انسانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جھجھوڑا اور اسکی فطری استعداد
کو لامحدود ترقی کی شاہراہ پر لگا دیا

وحی کا اثر تھا جو عرب اپنی کوتاہ نظری، زبوں حالی کے سبب
ایک دوسرے سے معمولی باتوں پر برسرِ پیکار رہتے وہ اخوت و محبت
کے خوگر بن گئے، غلامی و بردگی کی زنجیروں سے آزاد کرا کر شرافت
انسانی کے حصار میں پہونچا دیا یعنی سب کو پرچم توحید کے نیچے
جمع کر دیا، آواز توحید ہی انسانیت کی بنیاد اور بت شکنی کا نقطہ
اصلی تھی وحی نے وہ انقلاب ما حصیت کیا کہ تلواروں اور نیزوں
سے کام لینے والے جذبہ ایثار و فداکاری کا ابدی نمونہ بن گئے

پیغمبر اسلام نے ایک عالمی و حیاتی قائد و لیڈر کے مدبرانہ
انداز و افکار کے سہارے کلمہ لا الہ الا اللہ کا پیغام ان لوگوں
کو دیا جو اپنے خاندانی و قبائلی رسم و رواج میں جکڑے ہوئے تھے
بت جنکی نگاہوں میں محبوب و مقدس شی کی حیثیت رکھتا تھا بتوں
کے سامنے سر آدمیت و انسانیت کو جھکانا ان کا حسین مشغلہ تھا

وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں تھے کہ اپنے نہاخانہ دل کو وحدانیت
سے منور کریں۔

اسلامی تہذیب وتعلیم نہ صرف بت پرست معاشرہ
پر چھا جانے والی تھی بلکہ اسوقت کے سبھی ادیان ونظریات اور
ثقافت پر برتری رکھتی تھی

مرسل اعظم نے ہر قسم کی لغزش خواہ فکری ہو یا مذھبی
انفرادی ہو یا اجتماعی، ثقافتی ہو یا معاشرتی سب کی اصلاح و
سدھار کیلئے نظم واصول پیش فرمائے۔

آنحضرت نے آغاز تبلیغ میں اپنے قرابتداروں کو خالق
حقیقی کی طاعت وبندگی کی دعوت دی اور اپنے کو آخری نبی کی
حیثیت سے پیش کیا

مردوں میں علیؑ ابن ابی طالب سب سے پہلی فرد ہیں جو
مرسل اعظم کے پیش کردہ نظام کے گرویدہ ہوئے اور عورتوں میں
سب سے پہلی ذات جناب خدیجہ طاہرہ کی ہے جنھوں نے آنحضرت
کی تصدیق کی اور پھر دھیرے دھیرے دائرہ اسلام میں وسعت
ہوتی رہی اور ایک وقت وہ بھی آیا جب لوگ دین خدا کی طرف جوق

درجوق آرہے تھے (مروج الذھب ج ا صنا۴۰)

امیرالمومنین فرماتے ہیں:۔

ایک دن پیغمبر اسلام نے اپنے قرابتداروں کو جمع کیا اور ان کے درمیان ان الفاظ میں تقریر فرمائی

فرزندان عبدالمطلب میں جو کچھ تمہارے لئے لایا ہوں مجھ سے پہلے کسی نے ایسا تحفہ تمہیں پیش نہیں کیا میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لیکر آیا ہوں یہ خدا کا حکم ہے جسکی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہوں تم میں سے جس نے میری مدد و نصرت کی وہ تمہارے درمیان ہمارا بھائی، خلیفہ اور وصی ہوگا؟

سب خاموش رہے اگرچہ میں سب سے چھوٹا تھا مگر عرض کی یا رسول اللہ ــــــ میں آپ کی مدد کروں گا جس پر انحضرت نے فرمایا ــــ یہ تمہارے درمیان ہمارا بھائی، خلیفہ اور وصی ہے اسکی باتوں کو سنو اور مانو۔ا

ا۔ طبری۔ ج ۲ ص ۱۱۷۲

پیغمبر اسلام نے رہبریت کی مافوق الفطرت استعداد اور سیاسی پختگی کے سبب انسان سازی کی تحریک کا آغاز اس کی فطرت کی گہرائیوں سے کیا توحید فطری کے ذریعہ اور کائنات رنگ و بو کے اسرار آفرینش سے آگاہ کرتے ہوئے لامحدود ہستی سے آشنا کیا

مرسل اعظم نے ایسے ماحول میں آواز ہدایت بلند کی جب عوام اپنی کوتاہ نظری کے سبب قبیلہ سازی پر فخر کرتے تھے ہر قسم کے شرف کا دار مدار اجتماعی حالات اور ناروا و نازیبا لاف وگزاف پر تھا۔ آنحضرت نے ہر قسم کے توہمات و رسم و رواج جو انسانی زندگی میں خاصی اہمیت کے حامل تھے لغو قرار دیا

انسان کی زندگی کو ایک منظم و مقرر اصول و آئین کے سانچہ میں ڈھال کر پیش کیا۔ عوام کو غلامی سے رہائی و ظالموں کے ظلم و استبداد سے آزادی، اور قیصر و کسریٰ کی آمریت سے چھٹکارا دلانے کیلئے اپنی ساری صلاحیتوں اور کوششوں کو صرف کر دیا۔

یہ وہ اعلیٰ و ارفع نظام و نظریات ہیں جس کی اہمیت

وافادیت کا تاریخ انسانیت کو اعتراف ہے اپنے تو اپنے وہ بھی
اسکی بالاتری کے معتقد ہیں جنھیں اسلام سے دور کا بھی سروکار
نہیں ہے۔

تین سال تک دعوت مرسل اعظمؐ پوشیدہ رہی خفیہ طور
سے اسلام کو مضبوط اور مستحکم فرماتے رہے۔ مکہ میں آنحضرت کے
تیرہ سالہ قیام میں جسوقت سرداراں کفار و مشرکین نے دعوت اسلام
کو اپنے مذہبی عقاید اور جاہلی رسم و رواج کیلئے عظیم خطرہ محسوس
کیا تو اپنی پوری قوت وطاقت سے اس آواز کو دبانے کے لئے
اٹھ کھڑے ہوئے حلقہ اسلام میں آنے والے نئے مسلمانوں کو اپنی
شقاوت و بے رحمی کا نشانہ قرار دیا

ان غریب مسلمانوں کو صرف اس جرم میں کہ انہوں نے
اسلام کیوں قبول کیا۔ چلچلاتی دوپہر میں بھوکا و پیاسا رسن
بستہ زمین پر لٹاتے اور ان کے سینوں پر دھکتے ہوئے وزنی پتھروں
کی سلیاں رکھتے تاکہ دین و آئین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم
سے باز آجائیں

جناب یاسر و سمیہ اسلام کی دو عظیم شجاع اور۔

ساونت فردیں ہیں جنھیں کفار نے اپنی شقاوت و بربریت کا نشانہ قرار دیا تھا۔ کفار ہر روز تپتی ہوئی پتھروں کی سلوں کو جناب یاسر کے سینے پر رکھتے رہے آخر وہ دن آہی گیا جس دن مصائب کی تاب نہ لاکر جناب یاسر شہید ہو گئے۔ شہید نے موت کو گلے لگا کر باطل سے اپنی ہمت اور مسلمانوں کے حوصلہ کا لوہا منوالیا[1]

جناب یاسر مردوں میں اور انکی زوجہ عورتوں میں شہداء اسلام کی پہلی فردیں ہیں ــــ ابوجہل نے جناب سمیہ کو جس بے دردی سے شہید کیا ہے اس کا مطالعہ خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

کفار قریش کا خیال تھا کہ ان کے مظالم کے آگے نومسلم سپر انداختہ ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام کا گلا گھٹ کر رہ جائے گا کفار نے تحریک اسلام کو روکنے کیلئے موت و زندگی کی بازی لگا دی تھی کیوں کہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر اسلام یوں ہی بڑھتا رہا تو انکی معاشرہ سے حاکمیت و بالادستی ہمیشہ کیلئے چلی جائے گی اس جذبہ کے ساتھ حسد بھی بہت حد

۱؎ سیرت حلبی ص ۳۲۴

تک اثر انداز تھا

بگڑتے حالات کے دھارے نے شہر مکہ کو بے سہارا مسلمانوں کے لئے قید خانہ بنا دیا کفار کی ایذا رسانی کا سلسلہ بڑھتا رہا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کفار نے آیات قرآنیہ کے سینے پر بھی قدغن کر دی مکہ کو غیر محفوظ قرار دے کر باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں کو شہر میں آنے سے روک دیا تاکہ اس طرح مسلمانوں کا دوسروں سے ربط وضبط منقطع ہو سکے۔

بہت سے نئے مسلمان تو کفار کی سختیوں، ایذا رسانیوں سے بچنے اور آزادانہ خدائے وحدہ لاشریک کی طاعت و بندگی بجالانے کی خاطر مکہ سے حبشہ کیطرف ہجرت کر گئے

لیکن اس کے باوجود مخالفت کا سلسلہ بند نہ ہوا کفار نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا کہ ان نئے مسلمانوں کو واپس کیا جائے مگر نجاشی بادشاہ نے واپس کرنے کے بجائے مکہ سے آنے والوں کے احترام و اعزاز میں اور اضافہ کر دیا۔

یہی سبب ہوا کہ مسلمانوں نے سرزمین حبشہ پر آزادنہ

اسلام کے فروغ کیلئے تبلیغیں کیں کفار قریش نے دوسری بار تحفہ وہدیہ دیکر کچھ افراد کو حبشہ بادشاہ نجاشی کے پاس روانہ کیا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالہ کیا جائے لیکن نجاشی نے یہ کہہ کر واپس کر دیا ـــــ ان لوگوں نے مجھے دوسرے بادشاہوں پر ترجیح دی ہے میں جب تک ان کے معاملات کی تحقیق نہیں کر لیتا اسوقت تک تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا ۔

جب فرماں روائے حبشہ کو مسلمانوں کی پناہ گیر جماعت کے سردار امیرالمومنینؑ کے برادر حقیقی جعفر بن ابی طالب سے مسلمانوں کے عقائد اور جناب عیسیٰ سے متعلق ان کے خیالات معلوم ہوئے تو وہ اسے سنکر بے حد متاثر ہوا اور مخاطب ہو کر کہا ۔

خدا کی قسم جیسا جعفر نے کہا عیسیٰ اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے تھے ۔ اگرچہ اس کے وزراء نے اسکی بات کو پسند نہیں کیا لیکن اس نے وزراء کی پرواہ کئے بغیر مسلمانوں کے عقیدہ کی تعریف کی اور مکمل مذھبی آزادی دیتے ہوئے وہ ہدایا جو کفار قریش نے روانہ کئے تھے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا

جب خدا نے تخت و تاج عطا کرے وقت
مجھ سے رشوت نہیں لی تو مجھے یہ گوارہ
نہیں کہ اسکی راہ میں رشوت لوں۔ ۱

دوسری بار بھی نور کو تاریکی پر فتح ہوئی اور شرک و جہل مایوس حبشہ سے واپس ہو گیا

دشمن کی چال

اسلام دشمن عناصر نے کلمہ لا الہ الا اللہ کے ذریعہ جس وقت اپنے اقتدار کو متزلزل اور سماج و معاشرہ سے ہر قسم کی بت پرستی کو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ذہنی ہو یا معنوی مٹتے ہوئے دیکھا تو اسلامی مشن کو ناکام بنانے کیلئے تن من، دھن کی بازی لگا دی۔ پہلے مرحلہ پر دھمکیوں سے روکنا چاہا لیکن جب یہ طریقہ کارگر نہ ہو سکا تو پھر طمع و لالچ دلا کر پیغمبر کو ان کے هدف سے منحرف کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بھی بے سود رہی انحضرت نے اپنے آسمانی منصب و الٰہی حکم کے سامنے دولت

---

۱ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۳۸

وحکومت کی پیش کش کو بھی مسترد کر دیا اور آنے والوں کو ہمیشہ کیلئے یہ کہہ کر مایوس کر دیا۔

خدا کی قسم ــــ اگر یہ لوگ ہمارے داھنے ہاتھ
پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں
تو میں اپنی تبلیغ سے باز نہیں آوں گا۔ دو ہی صورت
ہے یا خدا کا دین روئے زمین پر پھیل جائے یا میں اپنی
جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں ع ۱

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ــــ

قریش نے ابوطالب سے کہا ــــ تمہارا بھتیجا ہمارے
خداؤں کا بہت اہانت سے نام لیتا ہے مجھے دیوانہ
اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہتا ہے اس سے کہو ـ
دولت سے منہ بھر دوں گا مگر ہمارے خداؤں کو برا
نہ کہے ع ۲

مرسل اعظم نے جواب دیا ــــ

خدا نے مجھے اس لئے نہیں مبعوث فرمایا ہے کہ مال

ع ۱ سیرت ابن ھشام ج ۱ ص ۲۷۸
ع ۲ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷

ثروت جمع کروں اور لوگوں کو دنیا کی دعوت
دوں اس نے مجھے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ
لوگوں کو اس کا پیغام پہنچاؤں اور اس کے دین
کیطرف دعوت دوں ۔

دشمن نے اس جواب اور غیر متزلزل عزم و حوصلہ سے آگاہی کے بعد آپس میں عہد کر لیا کہ جس قیمت پر ہو مسلمانوں کی پھیلتی ہوئی تحریک کا قلع قمع کرنا چاہئے ۔

جزیرہ عرب کے قبائل اپنی باھمی مخالفت و مخاصمت کو یک قلم بھول گئے اور اسلام کی پھیلتی ہوئی شہرت و مقبولیت کو داغدار کرنے کی ٹھان لی ۔ ان کا پہلا پروپگنڈہ تھا محمد صلعم ساحر، شعبدہ باز، دیوانہ اور شاعر ہے اور اس راہ سے مرسل اعظم کی عظیم و ہمہ گیر شخصیت کو مجروح کیا جانے لگا ۔

کفار قریش کا یہ شیوۂ انداز کچھ انہیں سے خاص نہ تھا بلکہ قرآن نے ان سے پہلے والوں کا تذکرہ بھی اسیطرح کیا ہے[۱]

ان لوگوں کے پاس جب کوئی نبی آتا تو وہ اسکو

---

۱ ۔ سورہ ذاریات ۵۱،۵۲

جادوگر کہتے یا دیوانہ بتاتے یہ لوگ ایک دوسرے
کو اسی کی ترغیب دیتے ہیں حقیقتاً یہ لوگ بڑے
نافرمان و سرکش ہیں۔

اگرچہ کفار کے طریقہ کار، دشمنی، ایذارسانی، سنگ باری اور طرح طرح کی رکاوٹوں سے مرسل اعظم کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن سارے حالات آنحضرتؐ کے غیض وغضب کو برانگیختہ نہ کر سکے بلکہ حضرت یہی کوشش فرماتے رہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کی معنویت کے ذریعہ جادہ حق و صداقت کی دعوت دیتے رہیں

مرسل اعظمؐ کے عزم وحوصلہ کو نہ کفار کی ایذارسانی و بے وطنی متزلزل کر سکی، نہ دولت و ثروت کی چمک دمک اپنی طرف متوجہ کر سکی اور نہ انکے بے بنیاد اتہام و الزام ہی انکی تبلیغ میں مخل ہو سکے کیونکہ آنحضرت کی تبلیغ کی بنیاد و اساس اس قرآن پر تھی جسکی آیات کے زمزمہ نے سننے والوں کے وجود میں انقلاب پیدا کر دیا اسکی معنوی تاثیر کا اعتراف اپنے تو اپنے دشمن بھی کر چکے تھے۔

مفسرین لکھتے ہیں۔

جسوقت عرب کے مشہور حکیم ولید نے پیغمبر اسلام سے سورہ فصلت کی بعض آیات سنی تو اسقدر متاثر ہوا کہ بنی مخزوم کے درمیان قرآن کی ان الفاظ میں توصیف و تعریف کی۔

> قرآن مخصوص حلاوت اور عجیب و غریب کیف رکھتا ہے اس کی اساس و بنیاد خیر و برکت پر ہے اسکی شاخیں پر ثمر ہیں وہ ایسا کلام ہے جس کی برجستگی کا مقابلہ کسی کلام سے نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کہکر اپنی راہ لی۔ قریش نے یہ سنکر گمان کیا ولید اسلام پر فریفتہ ہو چکا ہے [1]

اگرچہ مرسل اعظم صبر کا ہمالہ تھے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا جب کفار کے ابلہانہ و احمقانہ برتاو سے ملول ہوتے اور گوشہ نشین ہو جاتے مذہب کی عظیم ذمہ داری اور تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ایک لحظہ کیلئے آرام و استراحت کی اجازت نہیں دیتا۔ [2]

---

[1] مجمع البیان ج۔۱ ص۳۸۷، ج۵ سورہ مدثر آیہ ۱۴

حضرات انبیا کرام کی کامیابی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ انھوں نے بندگان خدا کی ناروا اور نازیبا حرکتوں پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ قرآن صراحت سے حضرات انبیا علیہم السلام کے انداز تبلیغ اور زحمات و نیاوی کا تذکرہ کرتا ہے

اے رسول ـــــ اسماعیل و ادریس اور ذوالکفل
کے واقعات یاد کرو یہ لوگ کسقدر صابر اور حالات
کا مقابلہ کرنے والے تھے ۔ عـ۱

سفیران الہی اگر اپنی تکذیب، توھین اور ایذا رسانی کا صبر و تحمل سے مقابلہ نہ کیا ہوتا تو دین الہی زمین پر ھمہ گیر نہیں ہو سکتا تھا۔

عـ۱ سورہ انبیاء آیت ۸۵

صبحِ ہجرت

مکہ معظمہ، اپنی گھٹاٹوپ تاریکی اور بگڑتے حالات کے ساتھ ساتھ نئے مسلمانوں کیلئے ایذ رسانی اور موت کا مرکز بھی بن چکا تھا مسلمان کفار کے تعاقب کیوجہ سے بروقت گرفتاری کا خطرہ محسوس کر رہے تھے مسلمانوں کے ظاھری حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ مکہ چھوڑنے کے سوا کوئی صورت نہ تھی لہٰذا مرسل اعظم نے مختلف ٹولیوں میں (مدینہ) یثرب کیطرف ہجرت کا حکم دیا۔

قریش مسلمانوں کے وجود سے جس خطرہ کا احساس کر رہے تھے اسکے پیش نظر مسلمانوں کی ہجرت سے مانع ہوئے اور ہر نامناسب اور ناروا اقدام پر تل گئے

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مھاجرین کی ازواج وخانوادہ کو یرغمال کرلیا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے منصوبوں کو عملی کرنے کی غرض سے اپنے افراد خاندان پر آخری نظر ڈالی اور رفتہ رفتہ مرکز جہالت وظلم وزیادتی مکہ سے مدینہ کیلئے چل پڑے اہل مدینہ نے بھی اپنے عزیز کی طرح گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

درحقیقت مکہ خالی ہوچکا تھا مسلمانوں کی اکثریت

مدینہ پہنچ چکی تھی۔ مکہ کی صورت حال اور مدینہ میں مسلمانوں کے پر جوش استقبال کی خبروں نے کفار قریش کو مزید غور و فکر پر مجبور کر دیا

سب نے متفقہ طور سے شمع اسلام کو خاموش کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کیں آخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ مرسل اعظم کو قتل کر دیں۔ سب نے اس تجویز کو تسلیم کیا اور آپس میں یہ طے پایا کہ رات کے اندھیرے میں بلوائی گھر میں گھس کر پیغمبر کو شہید کر دیں گے۱

پوری شب خانہ پیغمبر اسلامؐ کو اپنے محاصرہ میں لئے رکھا صبح کا انتظار کرتے رہے اور اپنے تئیں یہ گمان کرتے رہے کہ فرزند عبداللہ اپنے چاہنے والوں کی ہجرت کے بعد یار و مددگار نہیں رکھتا۔ اب قتل قطعی وحتمی ہے آج کی صبح محمد کی زندگی کی شام قرار پائے گی۔

مگر مرسل اعظم نے امیرالمومنینؑ کو اپنے بستر پر سونے

---

۱ سیرۃ ابن ھشام

کاحکم دیا۔ امیرالمومنینؑ خدا کی خوشنودی اور رسول خداؐ کی سلامتی کے خاطر اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر بستر رسول پر سو گئے۔ آنحضرتؐ ابوبکر کے ساتھ پوشیدہ طور سے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے۔

اسی وقت ایک شخص نے کفار کے حلقہ سے گذرتے ہوئے پوچھا تم کس کے منتظر ہو ؟

محمد صلی اللہ علیہ والہ" کے ۔کسی نے جواب دیا اس مرد نے کہا وہ تو تمہارے حلقہ سے جا چکے ہیں

سپیدی سحر اُفق پر نمودار ہوئی ادھر بستر رسالت سے امامت نے طلوع کیا ۔ دشمن چشم حیرت بنے رہ گئے

پیغمبر اسلام نے کیسے محاصرہ توڑا اور کیونکر روانہ ہوئے کہ کفار متوجہ نہ ہوسکے اس کی صحیح تاریخی اطلاع نہیں بہر حال یہ ضرور ہے کہ خدا کی مشیت تھی کہ اس کا منتخب بندہ ذلیلوں کی گرفت سے بچ جائے لہٰذا اس نے بچالیا

پیغمبر اسلام نصف شب کے قریب مکہ سے چل کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے اور غیر مانوس راہوں سے مدینہ پہنچے،

اسطرح ہجرت مسلمانوں اور اسلام کی کامیابی کا ذریعہ اور کفار کی خائن پالیسیوں کی رسوائی کا سبب قرار پائی اور وہ شمع اسلام جسے خاموش کرنے کی تیرہ سال سے کوششیں ہو رہی تھیں مرسل اعظم نے بچاکر فانوس مدینہ میں محفوظ کر دیا

مدینہ ہجرت سے قبل

مدینہ سے کچھ افراد اوس و خزرج کے درمیان چھڑی جنگ میں قریش سے مدد لینے کی خاطر مکہ پہنو نچے تھے قریش کے منع کرنے کے باوجود انھوں نے پیغمبر اسلام کے خطبات سنے اور بے حد متاثر ہوئے مدینہ واپس تو ہو گئے لیکن ان کے تحت الشعور سے خطباء کی بازگشت سنائی دے رہی تھی کچھ دنوں کے بعد جب دوسری بار فریضۂ حج کی ادائگی کیلئے مکہ پہنچے تو حضور نے انھیں دعوت اسلام دی. نبی کی دعوت کو قبول کیا اور سب کے سب مسلمان ہوئے .

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جب یہ قافلہ اپنے وطن

(مدینہ) پہنچا تو قرب وجوار کے رہنے والوں کو اسلام کے نظریات وافکار سے باخبر کرنے اور حکم خدا سے اشنا کرنے کیلئے بے حد دوڑ دھوپ کی مدینہ کے مسلمانوں کا یہ عمل ایوان بت پرستی کیلئے شدید دھماکہ تھا۔

قبائلی جنگوں میں تھکے ہارے اہل مدینہ نے دعوت مرسل اعظم کو اپنے لئے نعمت غیر مترقبہ تصور کیا۔ لیکن مناسب ہوگا کہ اس جگہ مختصر طور سے اس وقت کے عربوں کے حالات کا تذکرہ کرتا چلوں کیونکہ جب تک ہم عربوں کے اجتماعی ومعاشرتی حالات کا جائزہ نہ لے لیں اس وقت تک اسلام کی ان خوبیوں کو محسوس نہیں کر سکتے جو اسلام اپنے دامن میں لیکر آیا اور سماج ومعاشرہ پر اس کا اثر مرتب کیا۔

"حضرت امیرالمومنین کا ارشاد ہے"

اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ کو اپنی۔
وحی کا امین اور تمام دنیا کو ان کی بداعمالیوں
سے متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا۔

اے اہل عرب:۔ جب نبی مبعوث

ہوئے اس وقت تم بدترین دین اور بدترین
گھروں میں زندگی گذار رہے تھے کھردرے پتھروں
اور مسموم ماحول میں بود و باش کر رہے تھے
بت تمہارے درمیان محترم و مکرم تھا تم گناہ
میں لت پت تھے غذائے حرام تمہارے
کام و دھن کو خوش مزہ بنا رہی تھیں تم
آپس میں برسرِ پیکار تھے تمہاری تلواریں
ایک دوسرے پر الم تھیں ؎۱

مرسل اعظم کی مدینہ کی طرف ہجرت تاریخ اسلام کا عنوان، اور آئین محمدی کا جدید باب قرار پائی، ادھر ہجرت کے ذریعہ باطل کے دیو پیکر جسم پر پے ہم حملات کا دروازہ کھل گیا

مدینہ مرسل اعظم کے مشن کا مرکز قرار پایا دعوت اسلام خانہ بہ خانہ آگے بڑھتے ہوئے اپنی جڑوں کو مضبوط

؎۱ ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۶

کرتی جارہی تھی اور ایک تہذیب و معاشرہ کی شکل اختیار کر رہی تھی

مرسل اعظم کے ارشادات، اور ان کے افکار کی باریکیاں، اسوقت کے حاوی نظام حیات اور فکری و نظری، و اخلاقی، اصولوں کو متزلزل کئے ہوئے تھیں ان کے اصولوں نے غلامی و ظلم و زیادتی کے ایوانوں میں صف ماتم بچھادی تھی۔

استعمار کو اقتدار کے تخت سے بیخ دیا تھا آمریت واستبداد کے بجائے سماج و معاشرہ کو عالی اخلاق، عمدہ تہذیب اور ذھن و دل و دماغ پر چھا جانے والے نظام عدل وانصاف کا خوگر بنا چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرسل اعظم نے بہت جلد مدینہ منورہ کو ایک مذھبی، اجتماعی اور عسکری چھاونی میں تبدیل کر دیا۔

دوسری طرف مکہ کے تجربے، مشکلات، قید و بند کی اذیتیں، سبب بنی کہ مہاجرین جلد از جلد اپنے ارتقائی مراحل کو طے کریں اور جسطرح مدینہ اسوقت جزیرہ عرب کے لئے

سیاسی ومنعوی طور سے مسلمانوں کا مرکز قرار پایا تھا اسی طرح آئندہ کیلئے بھی اسلام کے فروغ کا سرچشمہ قرار پایا

مدینہ منورہ ہی سے مرسل اعظم نے اسلام کے اصولوں اور قوانین کو اسوقت کی امتوں، اور ملتوں، کے سامنے پیش کیا اور دنیا کے انسانوں کو اسلام کے ہمہ گیر ومتحرک نظام کے زیر سایہ جمع کرنے کی کوشش کی، نصف صدی سے کم ہی میں، نظام اسلام اسوقت کے گھنی آبادی والے ملکوں پر چھا گیا اور باصلاحیت نفوس کے قلوب پر رحمت وبرکت الٰہی کے چھینٹے پڑنے لگے۔

جن لوگوں میں حوادثات کے تجزیہ کی صلاحیت نہیں، وہ اسلام کی ہمہ گیریت کو ایک اتفاقی امر تصور کرتے ہیں جبکہ ایسا نہیں — کیونکہ اسلام نے جن اصولوں کو پیش کیا ہے اسکی بنیادیں فلسفہ، حقوق، اور اخلاقیات پر ہیں

توکیا جن چیزوں کی بنیادیں ان چیزوں پر ہوا کرتی ہیں انھیں اتفاقی کہا جاسکتا ہے۔؟

اور اگر اتفاقی ہے بھی تو یہ کیسا اتفاق جو ایک مرتبہ

ظاہر ہو اور پھر دوسری بار ظہور پذیر نہ ہو۔ ؟ اگر تحریک اسلام اتفاقی مسلہ ہے تو پھر کیوں نہیں اس زمانہ میں جب ماضی کے جیسے حالات برابر رونما ہوتے رہے ہیں۔ کوئی نظام جو معاشرہ و عوام کی بے چینی کا حل پیش کر سکے اتفاقی طور سے سامنے آتا۔ ؟۔ اور اگر تحریک اسلام اتفاقی تھی تو کیوں دنیا کے دوسرے اتفاقات سے علاحدہ اپنے مخصوص محور و مدار پر گردش کرتی رہی کیوں نہیں انھیں اتفاقات کا جز بن گئی —— ؟

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی انقلاب اپنے شرائط کے ساتھ سماج و معاشرہ میں کامیاب ہوا تو گذشتہ زمانہ میں اسکی کوئی مثال حتمی و ضروری طور سے موجود تھی یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا انقلاب رہا ہو۔ ہاں ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک لہر کی شکل میں ابھرا ہو اور پھر رفتہ رفتہ اس کا دائرہ وسیع ہوا ہو۔ مگر اسلام کیساتھ ایسا نہیں۔

پیغمبر اسلام کا پیش کردہ انداز فکر، لایا ہوا نظام، ہر اس فکر و نظام و اصول سے جداگانہ تھا جو اس وقت رائج تھا، یا ماضی کے پردہ پر اس کی جھلکیاں و پرچھائیاں

پائی جارہی تھیں ۔

انقلاب اسلام کی اٹھتی ہوئی موج کا سبب صرف اور صرف ذات مرسل اعظم تھی اس کا کوئی ربط گذشتہ کی تاریخ سے نہیں تھا اور نہ مرسل اعظم نے ماضی کی تاریخ سے اپنے انقلاب کو مہمیز کیا تھا بلکہ ان کے انصار و اصحاب کا جوش و اضطراب ذات مرسل اعظم کی بدولت تھا ۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے ہر انقلاب و آواز مرسل اعظم کے انقلاب کا ایک حصہ تھی ، ذات مرسل اعظم کسی انقلاب و تحریک کا جز نہیں اسی لئے ہم دنیا کے انقلاب اور پیغمبر اسلام کے انقلاب میں نمایاں فاصلہ محسوس کرتے ہیں ۔

کلمہ ـــ لا الہ الا اللہ ـــ اپنے اندر وہ حاوی و عقلی نظام رکھتا تھا جو زندگی کے ہر پہلو پر چھا گیا اور انسانی قدروں کو ہر اعتبار سے بلند کر دیا ۔

اسلامی تعلیمات نے عرب کے ہر قبیلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ چشم حیرت بنے اس کے اعلیٰ وارفع نظام کو تکتے رہ گئے

اسلامی تعلیمات کی گرویدگی و جاذبیت کا نتیجہ تھا کہ جنگجو شریر شیر و شکر بن کر پرچم توحید کے نیچے جمع ہوگئے۔

مناسب یہ ہوگا کہ اس حقیقت کو دوسروں کی زبانی سنا جائے ایشیا کی مشہور و معروف شخصیت پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں ؂۱

حیرت کا مقام ہے کہ قوم عرب جو صدیوں
سے غفلت و جہالت میں کھوئی ہوئی تھی جسے
اپنے قرب و جوار کے حالات کی بھی اطلاع نہ تھی
اچانک بیدار ہوئی اور دنیا کو زیر و زبر کر دیا۔
عربوں کا اس سرعت سے یورپ، افریقہ
اور ایشیا پر چھا جانا، اور پھر انسانوں کو
ایک عمدہ ثقافت و تمدن سے آشنا کرنا بہت
حیرت انگیز ہے "

وہ فکر جدید جس نے عربوں کو بیدار اور

؂۱ نگاہی بہ تاریخ جہان مولفہ نہرو ج ۱ ص ۲۲-۳۱۷

اور ان میں خود اعتمادی کا جذبہ موج زن کیا۔
۔۔۔ اسلام تھا ، یہ نیا مذھب ایک نئے پیغمبر جس کا
نام محمــد صلی اللہ علیہ و الہ تھا شروع ہوا۔
محمدؐ ۔ نے فتح مکہ سے پہلے مدینہ ہی سے
دنیاں کے فرماں رواؤں کو اپنی رسالت اور
خدا کی توحید کی طرف دعوت دی۔ ان پیغامات
سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ
کو کس قدر اپنی رسالت و نبوت پر اعتماد تھا
۔ اور اسی خود اعتمادی کو عوام میں بھی پیدا کر دیا
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ بدوش اسوقت کی آدھی
دنیا پر مسلط ہو گئے۔

اسلام ، اس شخص کے درمیان جو مسلمان ہو
چکے تھے برابری اور برادری کا قائل تھا اسلام کے اس
نعرہ نے نہ صرف عربوں کو اپنی طرف جذب کیا بلکہ ہر اس
شخص کو اپنی طرف متوجہ کرلیا جنھیں مسلمانوں کی آمد رفت
تھی ۔

تاریخ بشریت میں یہ حیرت انگیز تغیر و تبدیلی تنہا اس شخص کے ذریعہ نمودار ہوئی جس کے پاس نہ مادی امکانات تھے اور نہ دنیاوی وسائل، جس نے نہ دنیاوی مدارس و مکاتب میں درس پڑھا تھا اور نہ دوسرے افکار و نظریات سے استفادہ کیا تھا یہ کوئی غیر معمولی امر نہیں بلکہ مرسل اعظم کی قوت و طاقت کا زندہ ثبوت ہے

اگر دشمنوں نے آنحضرت کو داخلی جنگوں میں نہ الجھایا ہوتا تو وہ بہت جلد دوسری قوموں اور ملتوں کو اسلام کی دعوت دیتے مگر پے بہ پے جنگوں اور حملوں نے انھیں مہلت نہیں دی انکے قیمتی اوقات اور امکانات حریم اسلام کے دفاع میں صرف ہوئے

مخالفین کا جواب

اسلام دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں کہ

اسلام فوجی و عسکری بل بوتے پر پھیلا ـــــ جبکہ ایسا نہیں۔ جنھیں تاریخ سے آگاہی ہے جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے مکہ معظمہ کے قیام میں تلوار نہیں اٹھائی ـــ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا، اذیتوں، مشکلات، شازشوں نے ہر طرف سے تبلیغ اسلام میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور کسی طرح گفت و شنید سے مسئلہ کا حل پیدا نہ ہو سکا ـــــ نہ چلی بات تو پھر دھوم سے "تلوار چلی" کی صورت سامنے آگئی، قرآن نے اسی طرح اشارہ کیا ہے :-

جب مسلمان کفار کے ہاتھوں بہت ستائے گئے
تو انھیں بھی حکم جہاد دیدیا گیا۔ خدا تو ان کی
مدد پر قادر ہے - یہ بیچارے بلا سبب اپنے
اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ ؎۱

؎۱ حج ۳۹

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی راہ خدا میں
ان سے لڑتے رہو۔ لیکن یہ خیال رہے ظلم و
زیادتی نہ ہو۔ [1]

یا اسی طرح سورہ توبہ میں ارشاد ہے:۔

اگر یہ لوگ پیمان شکنی کریں اور تمھارے
آئین کا مذاق اڑائیں تو کفر کے سربرآوردہ
سے خوب ڈٹ کر جنگ کرو۔

کیا آغاز اسلام کے وقت جب مشرکین گروہ در گروہ حلقۂ اسلام میں آرہے تھے مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسلحے تھے؟ کیا اس وقت اسلام کے فروغ کی خاطر ہاتھوں میں تلواریں اٹھائی تھیں ــــ؟

جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ جارح نہ تھے بلکہ مسلمانوں پر دوسری قوموں اور ملتوں نے حملہ بھی کیا۔ انھیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بھی قرار دیا۔

---

[1] بقرہ آیت ۱۹۰ ، توبہ آیت ۱۲

اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ابتدار میں مسلمان ہونے والے حقیقت اسلام کو سمجھے بغیر دائرہ اسلام میں آگئے تو یہ الزام بعد والوں کے لئے نہیں ہے بلکہ تعلیمات اسلامی کے نورانی اثرات تھے جس نے انھیں والہانہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلام جبر و تہدید کے ذریعہ لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنا رہا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ بھی اسلام کو تسلط و غلبہ حاصل رہا وہاں عوام اسلام لانے پر مجبور کیے گئے جبکہ ایسا نہیں۔ اسلام نے اپنے اقتدار کے بعد عوام کو اختیار دیا یا وہ اسلام قبول کریں اور اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو حکومت اسلامی میں رہ کر حکومت اسلامی کا تعاون کریں ـــــ اگر اسلام کے نزدیک دوسروں کے عقائد کا احترام نہ ہوتا تو قطعاً ایسا حق نہ دیتا ـــ اور اپنے بھرپور تسلط و غلبہ کے بعد لوگوں کو اپنے دین پر باقی رہنے کا موقع فراہم نہ کرتا۔

اس سے قطع نظر کسی کا عقیدہ و ایمان "اس وقت تک

تبدیل نہیں کیا جاسکتا جب تک خود اس کا قلب مائل نہ ہو "عقیدہ وایمان" میں تبدیلی ڈرانے اور دھمکانے سے نہیں لائی جاسکتی۔ عقائد وافکار میں تبدیلی تعلیم وتربیت، اور علمی واستدلالی گفتگو سے پیدا ہوتی ہے۔

تلوار اٹھائی

ایک دہائی بعد اسلام نے طاقت وقوت کا استعمال کیا جب یہ دیکھا کہ عوام صحیح ومستقیم جادہ کے انتخاب میں آزادی فکر سے محروم کیے جا چکے تھے اسلام نے ان لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جو اپنی شہ زوری وغنڈہ گردی کے ذریعہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روک رہے تھے اعلان جنگ اس لئے کیا تاکہ ماحول سے نا امنی کی فضا ختم ہو اور لوگ سکون واطمینان سے مذہب اسلام کو قبول کرسکیں ۔ اور اس طرح نظام اسلام جو اپنے دامن میں ہر قسم کے اعلیٰ وارفع اسلوب رکھتا ہے نکھر کر عوام کی نظروں کے سامنے آجائے ۔ اور جن لوگوں میں اسلامی تعلیمات قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت ہو وہ بغیر

کسی رکاوٹ کے اسلام قبول کر سکیں۔

جو لوگ شمع اسلام کے خاموش کرنے، فکر مستقیم کو مشکوک بنانے اور عوام کو تباہی کے دہانے پر لے جانے میں کوشاں تھے ان کی روک تھام بجز جنگ ناگزیر تھی۔

سرداران قریش کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ کوئی ایسا نظام و دستور رائج ہو جو عوام سے ان کے تسلط کو ختم کرے اور ان کے اغراض دنیوی و مالی کو مجروح کرے۔ ان کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج باقی رہیں اور بھولے بھالے انسانوں پر ان کی سروری و سرداری ہمیشہ باقی رہے۔

سرداران قریش اس خطرہ کو اچھی طرح محسوس کر چکے تھے کہ اسلام انھیں تخت غرور و خود پسندی سے پٹخ دیگا ان کے فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا ـــ یہی وجہ تھی کہ کفار قریش نے تحریک اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور اپنے آبا، واجداد کے نظریات و عقائد کی حفاظت اور اپنی سیادت و سروری کی بقاء کے لئے جی جان کی بازی لگا دی

کیا ایسے حالات میں اسلام عقل و منطق سے ان کا

مقابلہ کر سکتا تھا؟ کیا جس وقت کسی حکومت کے خاتمہ کی کوشش کی جا رہی ہو ہر طرف سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں، اور تلواریں کھچی ہوئی ہوں ایسے میں پیغامات کے ذریعہ فتنہ دفع کیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ وہ موقع نہیں ہے جہاں صلح و آشتی سے بلوائیوں کو دبایا جا سکے۔ بلکہ یہ وہ موقع ہے جس کی طرح قرآن کا ارشاد ہے:۔

ان سے لڑے جاؤ یہاں تک فساد مٹ جائے
اور صرف خدا ہی کا دین رہ جائے۔ اور اگر وہ
لوگ باز آجائیں تو زیادتی نہ کرو۔ [۱]

کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے حالات سے سر بر ہونے کا واحد ذریعہ جنگ ہے۔ کیونکہ فتنہ و فساد کا قلعہ قمع، اور جنگ و جدال کا خاتمہ اسی وقت ہے جب تلوار نیام سے نکلے اور ستمگروں کے ہاتھ قلم کئے جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام شہ زوری و سرکشی کا مذہب نہیں پیغمبر خدا نے اسی وقت جنگ شروع کی

---

[۱] بقرہ آیت ۱۹۲

جب صلح کے سارے راستے بند ہو چکے ہوں ۔ مثلاً ــــــــ

جس وقت مکہ میں مسلمان صرف اسلام قبول کرنے کے جرم میں مشرکین کی ایذا رسانیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے انھیں ان کے شکنجوں سے رہائی دلانے کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کا حکم دیا گیا ۔ تاکہ طاقت کے بل بوتے پر معاشرہ پر چھائی ہوئی زیادتیوں کو برطرف کریں تاکہ اسلامی احکام کھلی فضا میں اپنائے جاسکیں ــــــ قرآن کہتا ہے :۔

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں ان کمزوروں اور بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے پنجۂ ظلم سے رہائی دلانے کی خاطر جہاد نہیں کرتے، وہ خدا سے لو لگائے ہوئے کہہ رہے ہیں ! ۔ معبود کسی طرح اس مکہ سے جسکے باشندے بہت ظالم ہیں ہمیں نجات دے کسی کو ہمارا سرپرست قرار دے ۔ سورۂ نساء ۷۵

اسلام ایسے پر آشوب ماحول میں جنگ کا حکم دیتا ہے جب لوگ خدا سے برسرپیکار ہوں یا عوام پر ظلم و ستم کر رہے ہوں یا لوگوں کو قانون الٰہی کی اتباع سے روک رہے ہوں ـــ کیا تاریخ بشریت میں کوئی ایسا کشور کشا، دحکمران گذرا ہے جس نے عدل و انصاف حق و عدالت کے قیام کیلئے جنگ کی ہو ــــ ؟ ہم دیکھتے ہیں

اگر کوئی قوم اپنی زندہ ضمیری کے سبب کسی کشورکشا کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتی تو وہ حکمران ان کے قتل عام اور ان کی املاک کے ضبط کا حکم صادر کرتا ہے۔

کیا ارباب اقتدار نے جنگوں کے ذریعہ اپنی سرکشی اور مطلق العنانی کو شہ نہیں دی، سب جانتے ہیں ان سلاطین نے غارت گری کے ذریعہ حاصل کئے سرمایہ کو کشورکشائی میں صرف کیا۔؟

کیا محمدؐ کا مقصد بھی یہی تھا؟ کیا ان کا ہدف بھی یہی تھا کہ اپنی ہوس کی تسکین و تکمیل کی خاطر انسانوں کا خون بہایا جائے؟۔ تاکہ انسان ان کی صولت و شوکت کے سامنے سر تسلیم خم کر سکیں۔ اور اس طرح ان کے اموال و املاک کو تصرف میں لایا جا سکے۔؟

انسان خواہ کسی قدر بے انصاف کیوں نہ ہو پیشوائے اسلام کی طرف ایسی نسبت نہیں دے گا۔

محمدؐ کی جنگ توحید و شرک کی جنگ تھی، ظلمت و نور سے مقابلہ تھا، گمراہی و ضلالت کی نابودی اور حق و فضیلت

کے فروغ کا آخری ذریعہ تھا۔ وہ ایک ایسے مصلح تھے جنھوں نے انسانوں کو صحیح زندگی سے روشناس کرایا اور ہمیشہ اس پر باقی رہنے کے لئے سعی کرتے رہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی ابتدائے تحریک میں تمام عربی قبیلوں کی کوشش تھی کہ آنحضرتؐ کو سلطنت سونپیں اور انھیں ہر قسم کی بالادستی و برتری سے نواز دیں لیکن آنحضرتؐ نے بھرپور اعتماد کے ساتھ ان تمام پیشکشوں کو مسترد کردیا کیونکہ ان کا مقصد حکومت عقل و تقویٰ کا قیام اور انسانوں کو پرچم توحید کے گرد جمع کرنا تھا ـــــ وہ اپنے مقصد میں پورے طور سے کامیاب رہے۔

چودہ صدی گذر جانے کے بعد بھی آنحضرتؐ کی کامیابی دنیائے انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے، آپ کی کتاب قرآن اور پیش کردہ آئین و نظام نے انسانوں کی سعادت و کامرانی کا ضامن بنکر تمام آسمانی کتابوں کو اپنی نورانیت میں چھپالیا ہے۔

آج کروڑوں انسانوں کی زبان پر آپ کا نام جاری

ہے۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے روحانی ماحول میں
گلدستۂ اذان پر آپ کا نام لیا جارہا ہے۔

وعدہ الٰہی بھی یہی ہے کہ
ہر شام و سحر آپ کا نام لیا
جاتا رہے ـــــ خود اسی کا
ارشاد ہے:۔

ورفعنا لک ذکرک

حضرت علیؑ:۔
بدترین ساتھی وہ ہے جس کے لئے
تکلفات کرنا پڑے۔

قرآن کی حقیقی معرفت

چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت بھی
گذشتہ انبیاء کے سلسلۂ نبوت و رسالت کی ایک کڑی تھی لہٰذا وہی
شرائط و علامتیں جو دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے لئے ضروری تھیں
ہمارے نبی کیلئے بھی ضروری رہیں ۔

نبوت و رسالت کے اثبات کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام
نے معجزہ کا سہارا لیا جس سے عاجز ہو کر انسان مدعی رسالت و نبوت
کی تصدیق پر مجبور ہو گیا۔ گویا معجزہ کا رسالت و نبوت کے ساتھ
چولی دامن کا ساتھ رہا ۔ معجزہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حقانیت
و رسالت کی ایسی روشن دلیل ہے جس نے بڑے سے بڑے منکر کو
عاجز اور شدید سے شدید مخالف کو بے دست و پا بنا دیا ۔

چونکہ تمام انبیاء سلسلۂ ہدایت کی ناقابل تفکیک کڑی
ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے ہدف و مقصد میں ہم آہنگ
تھے بلکہ بہت حد تک انداز تعلیم و تربیت میں مماثلت بھی رکھتے
تھے۔ ہاں انداز عبادت میں تھوڑا بہت فرق ضرور رہا اس کی وجہ
بھی اس وقت کے تقاضے تھے ورنہ اصل موضوع میں کوئی
اختلاف نہیں تھا ۔

بظاہر حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزوں میں عدم یکسانیت کی وجہ یہ تھی کہ گذشتہ انبیاء کی امتوں کو زیادہ تر انھیں چیزوں کے ذریعہ متوجہ کیا جا سکتا تھا جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں ۔ کاہنوں اور شعبدہ بازوں کی نظر بندیوں نے عوامی فکر کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا۔ اور یہ وہ اہم رکاوٹ تھی جس نے وجود خدا سے متعلق سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو سلب کر دیا تھا۔

لہذا خداوند کریم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ حکم دیا کہ شعبدہ و سحر جیسے غلط افکار و نظریات کے خلاف زیادہ سے زیادہ عوام کو متوجہ کرتے رہیں، عوام کو ان نظر بندیوں کی حقیقت سے آشنا کرتے ہوئے معجزوں کے ذریعہ اس حقیقی جادہ پر لائیں جہاں سے وہ بھٹک چکے ہیں اور اس رشتہ کو استوار کرائیں جو بندوں کا خدا سے منقطع ہو چکا ہے ـــــ ان کے ذہن و دل و دماغ میں یہ تصور راسخ کرائیں کہ خدا ان کے سارے افعال و نظریات و حرکات کا مشاہدہ کر رہا ہے۔
چونکہ ہمارے نبیؐ کا زمانہ گذشتہ زمانوں سے مختلف تھا۔ لہذا

معجزہ میں بھی فرق تھا۔

پیغمبر اسلام جس ماحول و معاشرہ میں منصب الٰہی پر فائز ہوئے اس وقت عمومی طور سے علم وادب، فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ شعر و سخن کی محفلیں گرم تھیں، اس انداز نے صرف یہ کہ عوام کو حیات انسانی کے اساسی مسائل سے غافل کر دیا تھا بلکہ فکروں میں جمود و سکوت اور یوم سزاء و جزاء سے بھی غافل بنا دیا تھا۔

ایسے ماحول میں خداوند کریم نے پیغمبر اسلام کو قرآن کریم کے اسلحے سے لیس کر کے روانہ کیا جو اس وقت کے ادیبوں اور شاعروں کے ذوق ادب پر برتری رکھتا تھا۔

آیات قرآنیہ کی حلاوت و تراوت، جذب و کشش نے قوم عرب کے احساس وادراک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ــــ قہری طور سے وہ اسکی طرف متوجہ و ملتفت ہوئے، جو لوگ علم بلاغت کے رموز و اسرار سے بھرپور آگاہی واطلاع رکھتے تھے قرآن کی بلاغت کو انسانوں کی بلاغت سے ماسوا تسلیم کر رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ ــــ انسان آیات قرآنیہ

کو سنے، اس کے معنی کو سمجھے اور پھر اس کی بلاغت سے متاثر نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے پہلے ہی لمحہ سے لوگ دین الٰہی کی طرف جھکنے لگے تھے۔

اگر پیغمبر اسلام نے اس ماحول میں قرآن کے علاوہ کسی دوسری شئے کو معجزہ قرار دیا ہوتا تو وہ اس قدر مفید و مؤثر نہ ہوتا بلکہ ذہنوں میں شکوک و شبہات کی بہت سی راہیں کھل جاتیں۔ قرآن کی بلاغت ہی کا کرشمہ تھا کہ اس کے مخاطب عربوں میں جرأت نہ ہو سکی کہ قرآن کی بلاغت کو انسانی بلاغت سے ہٹا سکیں، کیونکہ وہ ان جزئیات سے آگاہ تھے جو فن خطابت کی جان ہوا کرتی ہیں، ان کا وجود لغت وادب کے ناخدا کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

قرآن مجید ابدی و دائمی معجزہ ہے اور چونکہ ہمیں علم و دانش کا درس دینے کیلئے نازل کیا گیا لہٰذا اس کا وجود ایک علمی معجزہ ہے قرآن نے ہر اس چھوٹی سے چھوٹی چیز کو جو انسانوں کو خیر و فلاح کی طرف لا سکتی تھی بہت واضح و روشن الفاظ میں پیش کیا ہے وہ افراد جو عربی

ادبیات کی خصوصیات سے باخبر نہیں اگر چہ انکے لئے اعجاز
قرآن کو سمجھنا بے حد دشوار ہے لیکن اس کے باوجود معانی
قران انکے لئے معجزہ ہیں

گذشتہ انبیاءؑ کے معجزہ کا ایک خاص وقت وزمانہ
کیلئے ہونا انکی شریعت کے وقتی ہونے کی زندہ دلیل ہے
اس کے برخلاف ہمارے نبی چونکہ آفاقی و ابدی رسالت
لیکر آئے تھے لہذا ناگزیر تھا کہ اس کا اثبات کسی ایسے
معجزہ پر ہو جو وقتی و عارضی ہو بلکہ انکی ابدی و دائمی رسالت
کیلئے خدا نے معجزہ بھی ایسا انتخاب فرمایا جو رہتی دنیا کیلئے
چیلنج بن سکے۔

صبح قیامت تک باقی رہنے والی رسالت کا تقاضا
تھا کہ ہمیشہ رہنے والا معجزہ انسانوں کے سامنے پیش کیا
جائے جو زمانے کے قدم بہ قدم ساتھ چلتا رہے اور جس
طرح وہ اپنے زمانے والوں کیلئے حجت ہے اسی طرح
مادر گیتی کی اغوش میں پروان چڑھنے والی نسلوں کے لئے بھی
حجت بن سکے چونکہ جو معجزہ ایک محدود اور معین زمانے

کیلئے ہوتا ہے اس میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ اس پر استناد
کرتے ہوئے آئندہ نسلوں کو ساکت و قائل کیا جا سکے۔
یہی وجہ ہے قرآن ایک ابدی و دائمی معجزہ اور آخری
جلوہ وحی کے عنوان سے ہمارے لئے پیش کیا گیا ہے
جیسا کہ ارشاد ہے ؎

"سچائی و انصاف میں تمہارے رب کی بات
تمام ہوگئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں۔
وہ سننے والا ہے۔" سورۂ انعام ۱۱۶

مرسل اعظم نے جس دن اپنے اصولوں کو ایک حاوی
و کامل نظام کے عنوان سے دنیائے انسان کے سامنے
پیش کیا، جسکی ہمہ گیریت اور جاذبیت کو نسلی امتیازات، اور
جغرافیائی حدبندیاں روک نہیں سکتی تھیں، اسی دن قرآن
کو بھی اپنی حقانیت کے ثبوت میں دائمی و ابدی معجزہ بنا
کر پیش کیا تاکہ اہل عالم کیلئے سند و ثبوت بن سکے کہ ان کی
شریعت گذشتہ شریعتوں کی آخری کڑی اور کتاب رسالت و نبوت
کا آخری باب ہے

قرآن کسی ایسی کتاب کا نام نہیں جو اپنے اندر ان اصول وضوابط کو جگہ دیئے ہوئے ہو جو دوسرے اصولوں کی بہ نسبت کچھ بہتر ہوں، بلکہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے اصول و قوانین انسانی زندگی کے ہر پہلوؤں کو خواہ وہ اجتماعی ہوں یا ثقافتی گھیرے ہوئے ہے۔

لہذا یہی وجہ ہے کہ جس طرح مرسل اعظمؐ سلسلۂ ہدایت کی آخری فرد قرار پائے اسی طرح آپ کا پیش کردہ معجزہ بھی ابدی وآخری معجزہ قرار پایا۔

قرآن کریم کے انداز نزول، گزشتہ واقعات کے تذکرے، اور تمثیل وقصص سے انسانی ارتقاد وکمال کے مختلف رخ نکھرے سامنے آجاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان واقعات وتمثیلات کو قرآنی نقطۂ نظر سے پیش کرے تو ہزاروں "جیئے اور جینے دو" کے اصول فراہم ہوسکتے ہیں۔

اسلام نے دنیا میں جو تاریخی، فلسفی، معاشرتی اور روحی انقلاب برپا کیا وہ ایک راز سربستہ ہے جس کی گتھی کو صرف قرآن کا نزول تدریجی ہی سلجھا جاسکتا ہے۔

اگرچہ سطحی نظر رکھنے والے قرآن کے نزول تدریجی کو وحی کا نقص تصور کرتے ہیں لیکن اس وقت کے حالات وحادثات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول تدریجی ہی ہے جس نے مرسل اعظمؐ کو دو دھائی میں ایسی نمایاں کامیابی عطا کی ۔

قرآن کے نزول تدریجی کے فلسفہ کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح دیرینہ امراض کے لیے عرصہ دراز تک علاج کی ضرورت ہوا کرتی ہے ـــــ اسی طرح مریض معاشرہ کو جو انسانی شرافت وکمال سے محروم ہو چکا تھا، جادۂ حق واعتدال پر لانے کیلئے ایسے اصول کی ضرورت تھی جو ان بگڑے انسانوں کو زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر راہ حق و صواب کی رہنمائی کرتا رہے۔ اور یہ راہنمائی اسی وقت ہو سکتی تھی جب قرآن تدریجی طور سے نازل ہو ۔

قرآن وہ کتاب ہے جس سے مسلمانوں کا تو مذھبی رشتہ ہے لیکن غیرمسلم متفکر و ارباب بینش بھی اس کی علمی برتری و بالادستی کی وجہ سے اسکی عظمت کے معترف ہیں ـــ کیونکہ

قرآن سے ہٹ کر کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں مسائل ہستی سے متعلق قانع کنندہ بحث موجود ہو یا سماج و معاشرہ کے اجتماعی و انفرادی اصولوں کو جن فطری ڈھانچوں پر قرآن نے پیش کیا ہے کسی اور کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں ۔

قرآن کی بے نیازی:۔

بے شک و شبہ قرآن

اسلامی تحقیق و ریسرچ کا مخزن اصلی ہے ۔ وہ اپنے اندر ایسے اصول رکھتا ہے کہ ان اصولوں کے ذریعہ انسانوں کی خوابیدہ فکروں اور سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرے اور انہیں ایک ترقی یافتہ معاشرہ میں تبدیل کر دے ۔ اس کے لئے نہ کسی زمانہ کی قید ہے اور نہ زمان و مکان کی ۔

قرآن کو نازل ہوئے چودہ صدیاں گذر گئیں ، اس طویل مدت میں انسانوں نے نہ معلوم کتنی عروج و کمال کی راہیں طے کیں کائنات کے ان گنت راز سربستہ معلوم کئے لیکن ان سب عروج و کمال کے باوجود قرآن کی سروری و سرفرازی

ہر دَور و زمانہ کو اسی طرح چیلنج کرتی رہی جس طرح کل کر رہی تھی ۔

جس طرح قرآن عہد رسولؐ کے بے سواد و کم علم و غیر مہذب معاشرہ کے لیۓ ناقابل انکار معجزہ تھا اسی طرح آج کے علمی و فنی و ثقافتی ماحول میں بھی ایک زندہ معجزہ ہے ــــ قرآن کے اعجاز ہی کا نتیجہ تھا کہ کل کے پروردگار ان علم و فن مرسل اعظمؐ کی رسالت کی تکذیب نہ کر سکے آج بھی قرآن اس عزم و حوصلہ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خاتمیت وحقانیت کو ثابت کر رہا ہے ۔

قرآن نے انسانی دائرۂ معلومات کو وسیع اور عصری انداز فکر کو فروغ دینے کے لیۓ گذشتہ امتوں کی بہ نسبت ہمارے لیۓ زیادہ امکانات فراہم کیۓ ہیں ۔

اگر قرآن کسی خاص عصر اور معین خطہ کیلئے نازل ہوا ہوتا تو یہ صلاحیت نہ ہوتی کہ اپنے جوہر اعجاز سے آج کے انسانوں کو متاثر کر سکے ـ قرآن کے ابدی معجزہ ہونے کا راز تو یہی ہے کہ یہ اپنے اندر زندگی کے ہر اضطراب

دبے چینی کا روح پرور، وہدایت بخش حل رکھتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے ـــــ کہ مرسل اعظمؐ کی بعثت اور آنحضرتؐ کا انداز تبلیغ سماج ومعاشرہ کے لئے نوید فکر وشعور بن گیا ـــــ اورانسانی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یعنی مرسل اعظمؐ نے لوگوں کو تعقل وتفکر کی دعوت دی، ہستی کے رموز واسرار کو سمجھنے کا شعور وسلیقہ بیدار کیا ـــــ جو کائنات کی رنگ وبو کو دیکھ کر سرسری طور سے گذر جاتے تھے ٹھہر کر سوچنے پر مجبور ہو چکے تھے ـــــ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح گذشتہ امتیں غیر طبعی معجزات دیکھ کر ایمان لائی تھیں امت مرسل اعظمؐ اس طرح ایمان نہ لائی، بلکہ قرآن کے عاقلانہ و مدبرانہ انداز سے جب متاثر ہو چکی تو ایمان لائی ـــــ قرآن سے ہٹ کر اگر کہیں مرسل اعظمؐ کا معجزہ بھی اسی طرح محسوسات کو قرار دیا گیا ہوتا تو پھر جس طرح آج اسلام کے اصول فکروں اور عقلوں کو اپنی جاذبیت کے سامنے جھکا دے ـــ

قرآنی تحقیقات کی قدر وقیمت اس وقت سے نکھر کر سامنے آتی ہے جب انسانی ذھن، تعصب، گذشتہ خیالات ونظریات

سے خالی ہو کیونکہ اگر قرآن کے لیے پہلے سے کوئی نظریہ قائم کرنیکے بعد اس کی آیات و بیانات کا مطالعہ کیا جائے تو پھر محرومی ومایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا ـــــ یہ وہ گھاٹی ہے جس سے ہر مصنف ومحقق کو بچنا چاہیئے ۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ قرآن کے مفاہیم ومطالب انسانی فکروں کی تراش خراش کے بعد جو مضامین سامنے آتے ہیں ان سے اعلیٰ وارفع ہیں ـــــ اور جب ایسا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے کسی ایسے انسان کی کاوش کہا جائے جس نے درسگاہ علم سے علم وادب حاصل نہ کیا ہو ۔

انسانی ارتقاء کیلئے قرآن نے جن اصولوں کو مرتب و منظم فرمایا ہے اگر اس کا گذشتہ قوانین سے تقابل کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ احکام و اصولِ قرآن کسی قیمت پر نہ گذشتہ احکام و نظام سے شباہت رکھتے اور نہ ان کا اقتباس ہے ـــــ بلکہ ایک ایسا "مجموعہ کلام" ہے جس کی سابق میں کوئی نظیر نہیں، اس کے معانی جدید اور اس کا پیغام نیا ہے، اس کا مقصد اصلی ایک نظام انسانوں کے حوالہ کرنا تھا جس کی بنیادیں عدل والصاف پر

ہوں جو سماج و معاشرہ کو آزادی ضمیر عطا کر سکے۔ اور محروم و ستم رسیدہ کے حقوق کی بحالی کرا سکے ـــــ اور کر رہا ہے ـــــ

قرآن نے گذشتہ انبیاء کے حالات، موانع اور مشکلات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

میں جب قرآن کے قصص و حکایات کو دیکھتا ہوں تو بہت اضطراب سے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ قرآن کے قصص و حکایات توریت و انجیل سے اقتباس کئے گئے ہیں لیکن ایسا قطعاً نہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام کے سوانح کا تذکرہ کرنے میں قرآن کا اسلوب توریت و انجیل کے بیان سے برعکس ہے قرآن نے ان داستانوں و تذکروں کی مذمت کی ہے جو عقل و فطرت اور عقیدہ توحید سے متصادم ہیں۔ اگر قرآن گذشتہ کتابوں کا اقتباس ہوتا تو ان کتابوں سے ہم آہنگ ہوتا اور جبکہ ایسا نہیں ہے۔

" ڈاکٹر مارنس باکئی " فرانسیسی محقق اس سلسلہ میں لکھتا ہے ـــ

یورپی ممالک کے یہودی و عیسائی اور بے دین افراد

اس بات پر متفق ہیں کہ محمدؐ نے قرآن کو گذشتہ کتابوں کی روشنی میں لکھا ہے یا لکھوایا ہے اگرچہ وہ اس کے اثبات میں معمولی دلیل بھی پیش نہیں کر سکتے ان لوگوں کا خیال ہے کہ قصص وحکایات قرآن گذشتہ ادیان کی تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ۔

یہ نظریہ بھی اسی خیال سے ہم آہنگ ہے جس میں کہا گیا تھا کہ جناب عیسیٰؑ نے اپنے حلقہ بگوشوں کو گذشتہ واقعات سنا کر اپنا گرویدہ و فریفتہ بنا لیا تھا۔ لیکن جس طرح اس دعویٰ کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے اسی طرح مرسل اعظمؐ کے سلسلہ میں بھی کیا گیا دعویٰ بے حقیقت و بے بنیاد ہے۔ صحیح ہے کہ پوری انجیل گذشتہ امتوں کے حالات سے بھری ہوئی ہے لیکن کیا کسی مفکر و فلسفی میں یہ دم ہے کہ وہ گذشتہ حالات کی خبر دیکر عیسیٰ کی رسالت کی تکذیب کر سکے ۔

ہاں قصص قرآن قصص گذشتہ سے ہم آہنگ ہیں مگر تاریخی اعتبار سے یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تعجب کی جگہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ پر اعتراض نہیں کرتے کہ انھوں

نے اس قسم کے حالات کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیوں کیا ؟
یورپ ان باتوں کو دیکھنے کے بعد لب کشائی نہیں کرتا لیکن
قرآن کے اس انداز پر معترض ہے ۔

کوئی مخالفین قرآن سے یہ سوال نہیں کرتا کہ وہ چیزیں
جسے اہل معرفت نے محمدؐ کو املاء کرائی ہیں ــــ کیا ہیں ؟ یہ کیسے
ممکن ہے کہ چودہ سو سال قبل ایک شخص کسی واقعہ کے غلط پہلوں
اور اشتباہات کو علمی و استدلالی انداز سے واضح کرے اور وہ
انداز ایسا محکم ہو کہ آج تک کوئی اس کی تردید نہ کر سکے کسی کی املاء
کرائی ہوئی ہوں ــــ یا اس کا دعویٰ جھوٹا تھا ۔ پیش کردہ داستانیں
ہمیشہ سے انجیل سے مختلف رہیں ۔ یہ کسی طرح قابل قبول نہیں
کہ قرآن انجیل سے مشابہت رکھتا ہے ۔

تورات انجیل قرآن وعلم ص۱۲۸ و ص۲۰۷

حقیقت پسند انسان کے لئے ممکن نہیں کہ قرآن کو جو نہ
صرف ایک کتاب ہے بلکہ رسالت کی دلیل ، پیغمبر اعظمؐ کا معجزہ
بھی ہے کتاب وحی تسلیم نہ کرے ۔

قرآن اسی لئے مرسل اعظمؐ پر عمیق ، درخشاں اور ابدی

معجزہ بن کر نازل کیا گیا تاکہ احکام وارشادات زمانہ کے ساتھ ساتھ باقی رہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام احکام وفرامین مذہب انہیں الفاظ وقالب میں آج بھی باقی ہیں جیسے کل تھے۔ اور اس طرح خداوند عالم نے اسلام کو اس کے دشمنوں اور مخالفوں سے بچالیا اور احکام اسلام میں تحریف وتغییر کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

قرآن کے اعجازی پہلوؤں میں سب سے اہم وعمیق پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے عالمی پیمانے پر انسانوں کی زندگی میں ثقافتی وتمدنی انقلاب پیدا کیا۔

حقیقت اسلام کے سمجھنے میں یہ نکتہ بیحد مدد پہنچاتا ہے کہ اس نے ایک عالمی معاشرہ کی تشکیل کے لئے ایک جنگ جو، منتشر خیال، فکر ونظر سے محروم، اتحاد واخوت سے نا آشنا، قوم کا انتخاب کیا، درانحالیکہ نہ تو اس کی پشت پر کوئی خارجی قوت کارفرما تھی اور نہ کسی تحریک وتنظیم کی نگرانی، بلکہ قرآن کے ان اصولوں اور نظام کا سہارا لیا جس نے رنگ ونسل کی تفریق کو مٹا دیا فکر وخیال کو آزادی عطا کی، علم کی عزت

و توقیر کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ ہر قسم کی تکلیف برداشت کرلی لیکن کسی طرح بیرونی طاقتوں اور حکومتوں کے اثرات کو قبول نہیں کیا۔

یہی وجہ تھی کہ اگر مملکت اسلامیہ پر کسی نے حملہ کیا اور اپنی فوجی قوت وطاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو شکست دیکر تسلط حاصل کر بھی لیا تو بہت جلد اسلام کی معنویت سے متاثر ہو کر فاتح ہونے کے باوجود مغلوب مسلمانوں کے اثرات قبول کرلیا۔

تاریخ خاموش ہے کہ کسی فاتح نے ملت مغلوب کے دین کو اختیار کیا ہو یہ صرف اسلام کی بالادستی وہمہ گیریت ہے کہ ہر فاتح وحملہ آور اپنے طنطنہ کے باوجود جھکنے پر مجبور ہوگیا۔

قرآنی چیلنج

قرآن کریم دنیا کی زبانوں میں سب سے زیادہ جامع اور بے نیاز زبان عربی میں نازل ہوا جسکا دامن الفاظ

کے ذخیروں سے مملو ہے وہ جاہلیت کی تاریکی میں برق کی طرح کوند گیا۔ اور سارے جہاں کو جگمگا دیا قرآن اپنے اسلوب بیان، اظہار مدعا میں بازاری عربی سے کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا

نزول قرآن کے وقت عربوں کا ذوق ادبی، شیوہ نثر اپنے پورے اوج پر تھا، شعراء و مقررین اپنے دلنشین انداز سے عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کئے ہوئے تھے

قرآن نے ایسے ماحول میں پیغمبر اسلام کی تصدیق کی جبکہ قرآن کا قالب بھی انھیں حروف و کلمات کی ترکیب سے تشکیل پایا ہوا تھا جن پر عربوں کو بھرپور دسترس تھی تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں قرآن رفتہ رفتہ پیغمبر اسلام پر نازل ہوا زمانے کے ضروریات و تقاضے کے پیش نظر رسول و اصحاب رسول کو اہم مقصد و ھدف کی رہنمائی کرتا رہا۔

قرآن اپنے اندر دقیق معانی و مفاھیم کے ساتھ ساتھ عبارت میں شگفتگی، الفاظ میں سلاست و روانی

ترکیب میں تناسب و برجستگی بھی رکھتا ہے یہ خود قرآن کے اعجازی پہلوؤں میں ایک اہم پہلو ہے جس پر عرب کے پروردگاران ادب قادر نہ تھے ۔

ملت عرب نزول قرآن کے بعد ایسے کلام سے آشنا ہوئی جو نہ شعر تھا نہ نثر لیکن اس کا آہنگ و اسلوب شعر و شاعری سے زیبا تر ، اور لطافت بیان ، تحریر و تقریر سے ماسوا تھی اسکے الفاظ میں وہ کشش تھی کہ ہر سننے والا مسحور ہو جاتا تھا معانی و مفاہیم کی برتری ، شوکت الفاظ ، مختصر جملوں میں انمول مطالب کی ادائگی ـــــ قرآن کی یہ وہ نمایاں خصوصیت تھیں جس نے اسے انسانوں کے کلام سے جدا کر دیا تھا

قرآن کے محکم و مضبوط قوانین ، اور فکر و شعور کو منور کرنے والے بیانات ، نے انسانوں کو " جینے اور جینے دو " کا طریقہ تعلیم فرمایا ۔ اور ان کے خیالات کے دھارے کو ایسے انقلاب کی طرف موڑ دیا جس کی تاریخ عالم میں کوئی نظیر نہ اور " رسوم اوھام " کے خرمن کو جلا ڈالا جسے ظالموں اور انکے ہم مشربوں نے تیار کیا تھا

قرآن نے فکر کے اس دریچہ کو باز کر دیا جو انسان کو حقیقت تک پہنچا سکے۔ اور اسے اس طرح متوجہ کیا کہ اسکی عطا کردہ فکر ہر قسم کے تعصب و تنگ نظری اور ہوی و ہوس سے خالی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے تبلیغی مشن کو درس توحید سے شروع کیا، انسانوں کو حقیقت واقعیت کی طرف بلایا، ایمان و ایقان کی دعوت دی، اپنا مخاطب ان لوگوں کو قرار دیا جو گوش ہوش، چشم عبرت کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کے بھی حامل تھے۔ لوگوں کو دیرینہ رسم و رواج، آبائی حیا سوز عقاید و نظریات سے رہا کیا اور انھیں عقیدۂ شرک کی آلودگی سے نکال کر توحید کے جادہ پر گامزن کرنے کی سعی کی۔ اگرچہ اس راہ پر تلخیوں اور سختیوں کا کا سامنا کرنا پڑا لیکن مرسل اعظمؐ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آسکی۔ آنحضرتؐ نے اپنے عزم کے سہارے اس منصوبہ کو عملی کر دیا جسے خالق انسان نے انسانوں کی خوشبختی کیلئے بنایا تھا۔

قرآن کی جاذبیت کا عالم تو یہ تھا کہ بہت سے مشرکین قرآن کی متاثر کن آیات کے سننے سے گریز کرتے تھے اور انھیں اس کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دلوں کی گہرائیوں تک

اتر جانے والے قرآنی پیغامات انہیں اپنی طرف جذب کرلیں۔

مورخین کہتے ہیں:

کفار قریش کے دلوں میں آیات قرآنیہ کے سننے کا اشتیاق اس قدر موجزن تھا کہ رات کے سناٹے میں خانہ مرسل اعظم کے گرد چھپ جاتے تاکہ قریب صبح جب پیغمبر اسلامؐ مصروف تلاوت قرآن ہوں تو وہ تلاوت کے سوز و آہنگ سے لذت اٹھائیں ؎۱

پیغمبر اسلام نے نزول قرآن کے آغاز میں یہ فرما دیا تھا کہ ـــــ قرآن کلام خدا ہے، اس کے مقابلہ پر کوئی بشر قادر نہیں۔ اگر ہماری صداقت پر اعتبار نہیں تو آزما کر دیکھ لو۔ اس راہ میں جس کسی سے تعاون حاصل کرنا چاہتے ہو کر لو ـــ مگر یہ سمجھ لو کہ قرآن کے چیلنج کے جواب پر تم میں سے کوئی بھی قادر نہیں پورا قرآن تو درکنار مختصر سے سورہ کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔

؎۱ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۸۶

حیرت انگیز تو یہ ہے کہ پیغمبر کے ارشادات اور قرآن کی آیات کے درمیان کسی قسم کی مشابہت نہیں تھی اگرچہ آیات الہیہ بھی آنحضرتؐ کی زبان سے جاری ہو رہی تھیں ۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کا سرچشمہ فکر پیغمبر اسلام کے منبع فکری سے مختلف تھا ۔

قرآنی چیلنج میں نرمی

قرآن نے نہ صرف عصر پیغمبر اسلام کے انسانوں کو اپنا مخاطب قرار دیا بلکہ ہر عصر و زمانے کے انسانوں کو اپنی چیلنج کی زد میں رکھا ۔

اگر ساری دنیا کے انسان سر جوڑ کر بیٹھ جائیں ۔
اور قران کا مثل لانا چاہیں تو کبھی کامیاب نہیں ۔
ہو سکتے خواہ ایک دوسرے کا تعاون ہی کیوں نہ کریں ۔[۱]

جب ہر طرف سے سکوت رہا تو اپنے چیلنج میں نرمی کر دی ۔ کیا

---

۱ ۔ اسرا ۔ آیت ۹۰

ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قران ہمارا نازل کیا ہوا نہیں ہے
بلکہ آپ نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے ۔
ان سے کہدیں ۔

اگر تم لوگ اپنے دعوے میں سچے ہو تو زیادہ نہیں صرف
دس سورے قران جیسے پیش کریں ۔ اور خدا کے سوا
جس جس کی مدد لے سکتے ہوں اسے مدد کیلئے بلا لیں ۱؎

جب تیسرے چیلنج پر بھی دنیائے علم و دانش کی طرف سے کوجواب نہ ملا تو قرآن نے صرف ایک سورہ کے جواب کا مطالبہ کیا ——

اگر تم لوگ اس کلام سے جو ہم نے اپنے بندے محمدؐ
پر نازل کیا شک کرتے ہو تو تم بھی ایک ایسا
ہی سورہ بنا لاو ۔ ۲؎

قرآن کے بعض سورے اگرچہ چند جملوں سے زائد نہیں لیکن فصحاء عرب کا ایسے مختصر سوروں کے جواب کی طاقت نہ رکھنا قرآن کے مقابلہ میں انکی بے چارگی کو ثابت کرتا ہے

۱؎ ۔ سورہ ھود ۔ ۲؎ ۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳

دلچسپ تو یہ ہے کہ مرسل اعظم قرآن جیسے سرمایہ ادب سے عربوں کو پے ہم جھنجھوڑ رہے تھے جبکہ خود آنحضرتؐ نے چالیس سال تک انکے درمیان صبح وشام گذاری، لیکن نہ کسی ادبی بزم میں شریک ہوئے اور نہ کسی محفل وشعر وسخن میں حصہ لیا۔ لیکن اس کے باوجود انکا ذوق علم وادب ان سب پر حاوی رہا۔

قرآن کے چیلنج سے نہ صرف علمبرداران شرک وکفر کو جھٹکا پہونچا۔ بلکہ اس کے عقلی واستدلالی انداز سے عربوں کی جان ومال، عزت ووقار، سماجی ومعاشرتی حیثیت اور آبائی رسم ورواج کو بھی خطرہ درپیش ہوگیا تھا۔

اگر قرآن سے ٹکر لینا عربوں کے لئے آسان ہوتا تو ناخدایان فصاحت وبلاغت سر جوڑ کر بیٹھتے اور فصاحت و بلاغت میں قرآن کے ہم مثل وہم پلہ کتاب پیش کرکے ہمیشہ کے لئے اپنے کو آنے والے خطرے سے بچائے جاتے۔ اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انکی فتح اور قرآن کی شکست کا فسانہ تاریخ میں ثبت ہوجاتا

دیکھا گیا ہے کہ اگر انسان کسی کلام کے اسلوب

واندازِ پرمشق وتمرین کرے تو اس جیسے کلام کے انشا کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن قرآن کیلئے یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا۔ اسلوب وروش و اندازِ قرآن پرمشق ومزاولت کے باوجود کسی میں اس جیسے کلام کے انشا کی قدرت وصلاحیت پیدا نہ ہو سکی یہ بات خود ایک حقیقت کی طرف نشاندھی کرتی ہے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو انسان کی قدرت اختیار سے خارج ہے اور زمانہ کی نیرنگیاں کبھی بھی اس معجزہ آسمانی کو آسیب نہیں پہنچا سکتیں۔ اور نہ ہی اس کا مثل پیش کر سکتی ہیں ــــ دوسرے کیا مقابلہ کرتے جب خود پیغمبر اسلام کی تقریروں اور خطبوں میں قرآن کی شباہت نہیں پائی جاتی تھی۔

اگر مخالف قرآن جتھا، اور دنیائے علم و دانش پر حاوی افراد قرآن کے مثل لانے پر قادر ہوتے تو نہ انھیں مالی خسارہ اٹھانا پڑتا اور نہ خون آشام جنگوں کا منھ دیکھنا ہوتا۔ اور نہ دربدری کی کڑی دھوپ کا مقابلہ کرنا ہوتا بلکہ ایک جواب کے ذریعہ ابدی ودائمی فتح وکامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اور اس طرح تحریک اسلام جسے مرسل اعظمؐ نے مکہ میں

چلائی تھی ہمیشہ کیلئے سرد پڑ جاتی ۔

مخالفین نے تحریک اسلام کو روکنے کیلئے اپنی تمام امکانی قوتوں کو یکجا کر لیا لیکن ساری جدوجہد کے باوجود قرآن میں ایک غلطی ثابت نہ کر سکے اور یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ کلام انسانی پرواز فکر سے اعلیٰ وارفع ہے ۔

آیات قرآن کی جاذبیت پروردگاران فکرو شعور کے نہاخانہ دل میں جاں گزیں ہوتی جارہی تھی اور شجاعان تاریخ اسکی فصاحت وبلاغت پر گرویدہ ہو رہے تھے لیکن جہالت ونادانی کے طرفدار، عقل وخرد کے دشمن جنکی زندگیاں غفلت ونادانی کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھیں وہ قرآن کے خلاف اہم رول ادا کر رہے تھے ۔قرآن کی حقیقت کو مجروح کرنے کیلئے اس کیطرف سحر وشعبدہ کا الزام لگا رہے تھے ۔اس سحر وشعبدہ کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کی جاذبیت انکی فرد فرد کو متاثر کئے ہوئے تھی ۔

کبھی کبھی تو نئے مسلمانوں کو گھیر کر انکا مذاق

اڑاتے اور ان لوگوں کو جو ذھنی طور سے قرآن کے گرویدہ تھے
دباؤ ڈالتے کہ آیات قرانیہ کو نہ سنیں ــــ اسی لئے ایک گروہ کی
ذمہ داری تھی کہ جس وقت مرسل اعظمؐ آیات قرانیہ کی تلاوت
فرمائیں شور وغل، ہنگامہ، تالیوں کے شور، اور سیٹیوں
کی چیخ کے ذریعہ لوگوں کو اسکی جاذبیت کی طرف متوجہ ہونے
سے روکتے رہیں۔

قریش کا انداز مخالفت اور قران کی تعلیمات کو عالم گیر نہ ہونے دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حق و باطل میں جو جنگ ٹھنی تھی کس شدت تک پہنچ چکی تھی

قرآن بھی اپنے مخالفین کے معاندانہ ومخالفانہ روش کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

> کفار کہتے تھے کہ ــــ اس قرآن کو نہ سنو اور جب
> محمدؐ اسکی تلاوت کریں تو اسقدر شور مچاؤ کہ ان کی آواز
> دب جائے۔ ص۱

ص۱۔ سورہ حم سجدہ آیت ۲۶

لیکن کفار قریش کی یہ پابندیاں زیادہ دیر پا نہ ہو سکیں جب ان کی پابندیاں دھیرے دھیرے بے اثر ہونا شروع ہوئیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ کفر و شرک کے کٹر حامی و مبلغ جو جاہلیت کے آئین و اصول پر فریفتہ تھے۔ خانہ کعبہ کے گرد چھپ کر ان آیات کو سنتے رہتے جسے مرسل اعظم نمازیں تلاوت فرماتے تھے ۔ ایسے واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کس حد تک دلوں کی گہرائی میں اتر چکا تھا مشرکین قرآن کے مطالبوں کے جواب کیلئے اپنے کو کسی طرح اہل نہیں پا رہے تھے ۔

قرآن کے مقابلہ میں یہ عاجزی و بیکسی تو اس وقت تھی جب عرب خدایان سخن سے چھلک رہا تھا لیکن اپنی اس کثرت کے باوجود اسلوب و انداز قرآن کی نقل سے عاجز تھے ۔

اس پندرھویں صدی ہجری نے بھی اپنی علم و دانش فکر و شعور، اور ترقی پسندی کے باوجود قرآن کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دیں ہیں اور نت نئے شگوفے قرآن کے مقابلہ میں کھلتے رہتے ہیں

اگر قران کی فصاحت و بلاغت کو جدید طرز فکر

اور زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا چشمہ فہم وفراست آج بھی موجزن ہے اور جس طرح کل کے مخالف کے لیئے باعث حیرت واستعجاب تھا آج بھی اپنی اعجازیت پر باقی ہے

"اگر قرآن کے الہٰی و آسمانی کتاب ہونے
کو تسلیم نہیں کرتے تو اس کے مثل ایک
سورہ پیش کرو۔ بقرہ آیہ ۲۳"

عصر جدید کے انسان کیا اس بات کی ہمت رکھتے ہیں کہ قرآن کے چیلنج کا جواب دیکر رسالت مرسل اعظمؐ کو باطل کردیں اور اسلام کے قلعہ پر اپنی فتح کا جھنڈا لہرادیں ؟ لیکن یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا کیونکہ ہر دور ہر زمانہ میں زبان وبیان کے زبردست ماہر سرزمین عرب میں پیدا ہوتے رہے ۔ اس میں سے جو اسلام کے کٹر مخالف ودشمن تھے انھوں نے اسلام کی عداوت ومخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اگر ان کے امکان میں قرآن کے مقابلہ کی ہمت ہوتی تو ایک سورہ کا جواب پیش کر کے قرآن کے لاثانی ولافانی اعجاز کو ہمیشہ کے لیئے مٹا چکے ہوتے ۔

کیا وجہ تھی کیوں نہیں مخالف قرآن نے، قرآن کا جواب دیدیا اگر انھوں نے قرآن کا جواب دیدیا ہوتا تو نہ کسی صف آرائی کی ضرورت تھی اور نہ کسی لشکر کشی کی لیکن اسلام اور قرآن کے مخالفین قرآن کے جواب سے قاصر تھے گویا قرآن نے اپنے ہر مخالف کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔

مسیحی مورخ کیپ لکھتا ہے :۔

"اگر قرآن کے کلمات کو متفرق بکھیر دیں تو دوبارہ انھیں کلمات کو ترکیب دینے کی صلاحیت ہم میں نہیں ہے۔"

صدیاں گذر جانے کے باوجود تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک جاہل قوم کے درمیان مبعوث ہوئے، درانحالیکہ ان میں رہ کر نہ خود لکھا نہ پڑھا اور نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اس موضوع کو خود قرآن نے بہت صاف وصریح انداز میں ان لوگوں سے نقل کیا جو زندگی کے ہر موڑ پر آنحضرت کے ساتھ رہے ۔

اے پیغمبر!
قرآن سے پہلے نہ تو آپ نے
کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے
کچھ لکھا ہی تھا ــــــ عنکبوت ۴۸

خدا نے مرسل اعظمؐ کے اسی انداز کو ان کی رسالت کی سند قرار دیا۔

کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ ایک شخص جس نے نہ کہیں درس پڑھا ہو اور نہ کسی استاد سے علم حاصل کیا ہو لیکن اس کے بعد ایسی کتاب پیش کرے جو فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے مثال ہو۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص حقیقت کے خلاف کچھ کہے اور عوام اسکی تردید نہ کریں ــــ؟ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجودیکہ مرسل اعظمؐ امی تھے لیکن قرآن جیسی کتاب نے بتا دیا کہ وہ حامل منصب الٰہی ہیں اور منصب دار الٰہی دنیا میں تعلیم کا محتاج نہیں ہوتا۔

تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ مرسل اعظمؐ نے بعثت سے پہلے

کبھی ایک لفظ لکھا یا پڑھا ہو۔ لیکن حیرت ہے ایسا شخص رہتی دنیا کے لیۓ علم و دانش اور فکر و نظر کا علمبردار بن گیا۔

آنحضرتؐ نے جیسے ہی تاریخ عالم و آدم میں قدم رکھا، بشریت نے اپنے ارتقائی مرحلوں میں نمایاں کامیابی محسوس کی۔ آنحضرتؐ کے علم و کمال کی ایک ہلکی سی چھوٹ پڑی تھی کہ پوری ملت علم و آگہی کے جادہ پر چل پڑی۔ آنحضرتؐ نے کوشش یہ کی کہ عرب کے غیر مہذب و متمدن عوام دنیا کے مہذب و متمدن معاشرہ کا جزء قرار پائیں اور یہی ہوا آنحضرتؐ اپنی کوشش میں کامیاب ہوۓ اور چند ہی صدیاں گذرنے پائی تھیں کہ عرب دنیا کے سامنے متمدن معاشرہ کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے ہزاروں علمی و فکری شخصیتیں ابھر کر سامنے آنے لگیں۔

ان حالات کا تجزیہ اور دنیا کے غیر مسلم ارباب قلم کے افکار و نظریات سے ہمیں قرآن کی اعجازیت و خصوصیت کو سمجھنے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔

"محمدؐ پیغمبری کہ از نو باید شناخت"

کا مصنف کہتا ہے۔

اگرچہ وہ خود امیؐ تھے لیکن سب سے پہلی
آیت جو ان پر نازل ہوئی۔ اسمیں قلم اور
علم و دانش کا تذکرہ ہے اسلام کے علاوہ
کوئی ایسا قانون نہیں جسمیں علم و آگاہی پر
پہلی ہی منزل میں اسقدر زیادہ زور دیا
گیا ہو۔

اگر محمدؐ —— پڑھے لکھے ہوتے تو غار حرا میں نزول قرآن
اس قدر شگفتگی کا باعث نہ ہوتا کیونکہ پڑھا لکھا علم کی قدر و قیمت
سے آشنا ہوتا ہے۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کا
مذہب علم و دانش پر اس قدر زور دیتا ہے۔ وگلیری استاد
معروف اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

اسلام کی آسمانی کتاب درحقیقت معجزہ ہے کسی
بھی طرح اس کی نقل و تقلید نہیں کی جا سکتی، اس کا انداز و
اسلوب اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ انسانی نہاخانہ وجود میں اسکی
لطافت و حلاوت کا اتر جانا اسکی برتری کی زندہ مثال ہے یہ
کیسے ممکن ہے کہ ایسی کتاب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدوین و

تالیف ہو جبکہ وہ خود سوادِ علمی نہ رکھتے تھے۔

میں قرآن میں فکر و شعور، عقل و ادراک کا وہ عظیم ذخیرہ مشاہدہ کر رہا ہوں جس کی بلندی تک بڑے سے بڑے فلسفی و مفکر اور سیاسی کے افکار و نظریات کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ قرآن انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں۔ ؏۱

"اسمیت" اپنی کتاب — "محمدؐ و مسلمان" میں لکھتا ہے۔

میں پورے یقین و اطمینان کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک دن آئے گا جب بڑے سے بڑا فلسفی و منطقی اور متعصب سے متعصب مسیحی اس بات کا اقرار کرے گا کہ قرآن آسمانی و الٰہی کتاب ہے اور محمد اس کے پیغمبر برحق ہیں انھوں نے اس دنیا کے مدارس و مکاتب میں درس نہیں پڑھا تھا۔ لیکن وہ خدا کی طرف سے منتخب ہوئے اور ایسی کتاب پیش کی جو اپنے دامن میں کروڑوں

؏۱۔ پیش رفت سریع اسلام ص ۴۹

رسائل اور بے شمار کتابوں کے مفہوم کو سموے ہوئے تھے جس نے لاتعداد کتاب خانہ تشکیل دیئے اور بے شمار افکار و نظریات، اصول و عقائد، جیو جینے دو سے متعلق حقوق و نظام انسان کو بطور ہدیہ پیش کئے۔

قرآن ایسے ماحول میں منصہ شہود پر آیا جب علم و آگہی، تمدن و تہذیب کا دور دور پتہ نہ تھا مدینہ کی پوری آبادی میں صرف گیارہ نفر ایسے تھے جو لکھنے و پڑھنے پر قادر تھے مکہ اور اطراف مکہ میں قریش کے پھیلے ہوئے سب سے بڑے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی پڑھے لکھے پائے جارہے تھے۔ ؏۱

قرآن کا سب سے پہلا حکم "علم و قلم" سے شروع ہوا۔ اس کے اس انداز نے اس وقت کے ماحول میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ گویا اسلام کے فرائض میں اہم فریضہ تحصیل علم ہے اسی لئے اسلام نے ارباب علم و دانش کے قلم کی روشنائی

؏۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۵۸

کو مجاھد کے خون سے برتر قرار دیا ہے

قرآن نے علم و آگہی کا جو سلسلہ شروع کیا یا علم و دانش کی جو توجیہ و تفسیر کی ہے اس کی ضو میں بے شمار فلسفی و اہل نظر پیدا ہو گئے ، لاتعداد نایاب کتابیں تالیف و تصنیف ہوئیں ، گوناں گوں علوم اسی قرآن سے پھوٹ نکلے ۔ اور اسلامی مفکرین کے سہارے پوری دنیا میں منتشر ہوئے اور اس طرح مادر گیتی نور قرآن سے جگمگا اٹھی ۔

مرسل اعظمؐ :-

فاطمہؑ میری پارۂ جگر ہے ۔

بحار ج ۴۳

علمِ جدید سے قرآن کا رشتہ

قرآن کی قدر و قیمت مختلف رخ سے قابل تحقیق و ریسرچ ہے۔ ایک رخ جو ہر انسان کو اس کی طرف جذب کرتا ہے اس کا اسلوب و انداز ہے جسے نہ شعر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ نثر سے، نہ اس میں وہ خصوصیات و آہنگ ہیں جو شعراء کے مبالغہ آمیز افکار و تخیلات میں پائے جاتے ہیں اور نہ ہی بہ اعتبار نثر بالکل سادہ و معمولی ہے بلکہ ایک خاص لطافت، ایک ناقابل بیان روحی و معنوی لذت کا حامل ہے جسے عربی سے آشنائی رکھنے والا سنکر نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ علمی و فکری اعتبار سے قرآن کا مقصد علمی ایجادات کی نشاندہی یا نظام ہستی میں منظم رسگاہ کے ذریعہ پیدا ہونے والے نت نئے حوادث و انکشافات

کی توجیہ وتفسیر کرنا ہے یا ان کے خواص و اثرات پر روشنی ڈالنا ہے۔ اور نہ ہی اس کی توقع رکھنا چاہیئے کہ قرآن مختلف علوم پر بحث کرے گا یا اس موضوع سے متعلق مسائل کو سلجھائے گا۔ اور راہ تحقیق میں پیدا ہونے والی مشکلات کا حل پیش کرے گا۔ کیونکہ انسان میں خود تجربہ وتحقیق کی قوت اور علمی تشنگی بجھانے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

انسان اس بات پر قادر ہے کہ اپنی صلاحیتوں کے سہارے اپنی ضروریات کو پورا کرے اور اپنی پیہم تلاش و جستجو کے ذریعہ تسخیر کائنات میں ایک نمایاں قدم اٹھائے۔ یہ سارے رخ کسی ایسی کتاب کا مقصد قرار نہیں دے جا سکتے جو تربیت وتعلیم کیلئے نازل کی گئی ہو۔

قرآن کا اصلی مقصد و ہدف انسان کی تربیت اور اس میں فریضہ شناسی کی صلاحیت کو بیدار کرانا تھا جو اسے روحانی ارتقاء، فطری کمال کے ساتھ ساتھ انسانی خصوصیات سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں مدد پہنچا سکے۔

ایسے باصفات انسان کو سماج و معاشرہ کی تحویل

میں دینے کے لئے ضرورت تھی کہ اس کی ہر پہلو اور مختلف رخ سے اصلاح و تربیت کی جائے اسے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج، عادات و اطوار سے متنفر کرایا جائے قرآن نے اپنی حلاوت و لطافت کے ذریعہ روح انسانی کو متاثر کیا اور اس حد تک کامیاب رہا کہ جاہلی رسم و رواج کے متوالے قرآنی احکام کے گرویدہ و شیفتہ ہو گئے۔

قرآن نے انسانوں کو حکم دیا ہے کہ ہستی کی حقیقت کو سمجھے، غور و فکر سے کام لے، اور اپنی فکر و صلاحیت کو حقیقت فہمی میں صرف کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنی سب سے پہلی آیت میں قلم و دانش کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ کائنات کے مطالعہ کا حکم دیا ہے کائنات کا مطالعہ و جائزہ خود ہی علم و آگہی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔

اگر انسان آیات قرآنی اور تاریخ اسلام کے پرتو میں ہستی کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے تو مطالب کے وہ در بے بہا سامنے آجاتے ہیں جو نسل نو کی تعمیر و اصلاح میں مؤثر ہیں۔

محقق مشہور علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے :-

"اسلام کی آمد عقل و شعور، فکر و فہم کا ذریعہ بنی، اسلام نے روز اول سے فہم و فراست پر زور دیا ہے۔ بلکہ کائنات ہی کی علم و آگہی کا ذریعہ قرار دیا۔

یہ یاد رہے — عصر پیغمبر اسلام میں فکر و نظر فہم و فراست، آفتاب نیم روز کی طرح جگمگا کر دنیا کے سامنے آگئی خود اپنی ذات کو سمجھنا ہی ہستی کی معرفت کا سرچشمہ ہے۔

انسان جس قدر قرآن کے حکم کے مطابق اپنی معرفت اور ہستی کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کرے گا روح اسلام اسی طرح نکھر کر سامنے آئیگی۔ [۱]

---

[۱] احیائے فکر دینی در اسلام ص ۱۴۶

انسانی ارتقاء، آزادی فکر اور ہر قسم کی قیود و بند سے رہائی ہی کسی علمی و فکری تحقیق و تلاش کا ذریعہ ہے جب تک انسان میں یہ چیزیں پیدا نہ ہوں وہ کسی طرح مرحلہ کمال میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

قرآن کریم نے جہاں انسان کی تعلیم و تربیت، نشو و نما کی اہمیت پر زور دیا ہے اسی کے ساتھ علم و آگاہی کی طرف بھی مختلف انداز سے اشارہ کیا ہے۔ اور کائنات کے جن اسرار کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے اسے اس وقت کی اطلاعات کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن جس علمی گہرائی کو سموئے ہوئے تھا انسانی فکریں اسے اس وقت محسوس نہیں کر سکتی تھیں ۔ قرآن کی اس علمی جلالت کو ہر آنے والے ترقی یافتہ زمانہ میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

آج کا انسان کروڑوں انسانوں کی فکروں، تجربوں اور صلاحیتوں کا وارث ہے۔ آج کا انسان عصری ایجادات، ذہنی خلاقیت اور اسرار ہستی کے نئے نئے انکشافات سے بہرہ مند ہو رہا ہے۔

قرآن جس زمانہ میں نازل ہو رہا تھا وہ زمانہ علمی بحران، فکر و دانش سے غفلت اور ایجادات و تجربات سے محرومی کا تھا۔ اس وسیع دنیا کے اسرار کو سمجھنا اسوقت کے انسانوں کے لئے ناممکن و محال تھا۔

اسی لئے قرآن نے اسرار آفرینش کا تذکرہ کرتے ہوئے ان نکتوں کو صاف و صریح الفاظ میں پیش کیا جس کا اس وقت کے انسانوں کے لئے سمجھنا زیادہ دشوار نہ تھا لیکن جو نکتہ ان کی فہم سے بالاتر تھا اس کی طرف صرف اشارہ کر کے گذر گیا ـــــ تاکہ زمانہ جیسے جیسے ارتقائی منزلوں کو طے کرتا جائے اسی تدریج سے قرانی نکات بھی سطح انسانی کی ارتقاء کے مطابق واضح و آشکار ہوتے رہیں۔

اسلامی محققین قرآن کے عمیق و دقیق مطالب کو اپنی وسعت نظر اور جذبۂ تحقیق کے سہارے آئے دن ہمارے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان افکار و نظریات کے مطالعہ کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن بشری فکر کا نتیجہ نہیں۔

اگر قرآن انسانی فکر کا نتیجہ ہوتا تو اگر اس زمانہ کے افراد اس کا مثل لانے سے قاصر تھے تو کم از کم عصر پیغمبر اسلامؐ کے بعد تو یہ امکان پیدا ہو ہی سکتا تھا کہ کوئی اس کا جواب پیش کردے لیکن آج تک کسی میں اس کی جرأت و ہمت نہ ہوسکی۔

اگر قرآن اپنے صحیح خد و خال کے ساتھ سامنے آجائے تو سارے قوانین واصول کی دیواریں منہدم ہوجائیں گی اور ہر فرد بشر کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔

قرآن کے مقابلہ میں انسانی فکروں کے بنائے ہوئے سبھی قوانین واصول لوٹ چکے ہیں ۔ قرآن کا پورا وجود ایک معجزہ ہے، جسکے مثل لانے پر انسان قادر نہیں۔

میں گذشتہ صفحات پر تذکرہ کر چکا ہوں کہ قرآن نے علمی و فکری مسائل کی کھلے لفظوں میں وضاحت نہیں کی بلکہ ہلکا اشارہ کردیا تاکہ ذہن کی راہنمائی ہو سکے ــــ یہی وجہ ہے کہ قرآن کو سائنسی و تجرباتی کتاب سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا جس میں صرف ایسے علمی و تحقیقی مسائل بیان کئے گئے ہوں۔

قرآن نے انسان کی خلقت، زمین و آسمان کی پیدائش،

اور نباتات کی کیفیت و طبیعت کی طرف کہیں کہیں مختصر انداز سے اشارہ کیا ہے ۔ لیکن اس اشارے سے اشیاء پر پڑے پردوں کو اٹھانا، یا ان کے خواص و صفات کو بتانا مقصود نہیں تھا بلکہ قرآن کا مقصد ان تذکروں سے ان حقائق پر روشنی ڈالنا تھا جو انسانی ارتقاء، اور روحانی کمال سے تعلق رکھتے ہیں جس پر انسانی سعادت و کامرانی کا دار و مدار ہے ۔

قرآن نے اپنی واقعیت وحقیقت کو آشکار کرنے کیلئے کسی خاص فن کی اصطلاح کو اختیار کرنے کے بجائے ایسی لفظیں استعمال کیں جو آنے والے ہر زمانہ کے قالب میں سما سکیں قرآن کے اصول و ضوابط کائنات کی ہر شئی پر حکم فرما ہیں ۔ اور ہمیشہ اس کی بالاتری و بالا دستی باقی رہے گی، قرآن نے کسی خاص فن کی لفظوں کو اختیار نہیں کیا کیونکہ اس کا امکان تھا کہ زمانہ کیساتھ ساتھ لفظیں بھی بدل جائیں اور نئی اصطلاحیں پرانی اصطلاحوں کی جگہ لے لیں ۔

قرآن نے دنیا کی آفرینش و خلقت سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے جسے حس کے ذریعہ

درک نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان حقائق کو صرف اور صرف علم و آگاہی کی ضیاء میں انسان محسوس کر سکتا ہے ۔

ڈاکٹر " بوکای " غیر مسلم مفکر کا بیان ہے :۔

بلا شبہ قرآن مسلسل انسانوں کو
علم و آگاہی کی دعوت دیتا ہے اس نے
اسرار ہستی سے متعلق بے حد واضح نظریئے
اور بیانات دیئے ہیں ۔ جو علم جدید سے
صد فی صد ہم آہنگ ہے ۔

قرآن سے ہٹ کر جب دوسری الہامی
و آسمانی کتابوں پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ کتابیں
ان نکتوں سے خالی دکھائی دیتی ہیں ۔

قرآن کے اس علمی انداز نے پہلی ہی
بار مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا اگرچہ ہمارے
ذہن و دل و دماغ میں قوت نہیں کہ ایسی
کتاب کے مطالب کو سمجھ سکیں جو چودہ
صدیوں پہلے ان سائنسی ایجادات اور

اسرار کائنات کے دقیق نکات کو بتا چکی تھی جسے انسانی فکر معلوم تو درکنار محسوس بھی نہ کر سکتی تھی۔

اس کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آیات قرآنیہ کے سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان سے آشنائی ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مختلف علوم سے آگہی بھی رکھنی چاہیئے ظاہر ہے کہ مختلف علوم پر دست رس کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لیے چند افراد کی ضرورت ہے جو بذات خود "انسائیکلوپیڈیا" کہے جا سکتے ہوں۔

قرآن میں ایسے بہت سے علوم ہیں جنکے سمجھنے کے لیے آیات قرآنیہ کا سہارا لینا ضروری ہے۔ اسی وقت یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کے تدریجی طور سے نازل ہونے کا فلسفہ کیا ہے؟۔

قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں دنیا کے رائج قوانین کا تذکرہ کیا گیا ہو بلکہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں صنّاعیِ عالم کے ذریعہ قدرت خدا کی طرف اربابِ فکر و نظر کو متوجہ کیا گیا ہے۔

لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ موجوداتِ عالم کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے قرآن جو دعوتِ فکر دی ہے ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جسے ہم بعض امکانات کیوجہ سے بآسانی سمجھ لیتے ہیں لیکن کچھ وہ ہیں جن کے سمجھنے کیلئے علم کی ضرورت ہے اگر علم نہ ہو تو انہیں سمجھا نہیں جا سکتا۔

قرآن کے انہیں نکتوں کو دیکھنے کے بعد اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جس شخص نے نہ کہیں تعلیم حاصل کی ہو اور نہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہو کیونکر ایک ایسا کلام پیش کر سکتا ہے

جو عرب کے ادیبوں کے کلام سے اعلیٰ و
ارفع ہونے کے ساتھ ساتھ جن علمی
پہلوؤں کو پیش کیا ہے اُسے اس وقت کے
بڑے سے بڑے دانشمند درک نہ کر سکے۔
اگر قرآن کلام الٰہی نہ ہوتا تو کہیں نہ کہیں ضرور
بیان میں تضاد و ٹکراؤ پایا جاتا قرآن کی
یکسوئی بھی "کلام اللہ" ہونے کی زندہ
دلیل ہے۔

قرآن پر تحقیق و ریسرچ سے یہ تو
ثابت ہو جاتا ہے کہ ساتویں صدی میں
پیدا ہونے والے نبیؐ نے اپنی طرف سے
مختلف موضوعات گھڑ کر پیش نہیں کئے
کیونکہ وہ حقائق خود اس کے زمانہ سے تعلق
نہ رکھتے تھے بلکہ صدیوں بعد ان کا انکشاف ہو۔ ؎۱

؎۱ توریت انجیل قرآن و علم ص ۱۶۸ سے ص ۱۶۹

قرآن کی اس حقیقت کے چند نمونے بے حد اختصار سے پیش کر رہا ہوں تاکہ قرآن کی اہمیت پر قدرے روشنی پڑ سکے۔

۱۔ منظومہ شمسی کی پیدائش سے متعلق مشہور ترین نظریہ وہ تھا جسے فرانسیسی سائنس دان "Lapas" نے پیش کیا تھا ایک عرصہ کے بعد جب تحقیقات کے دروازے کھلے تو پھر اس کی تحقیق کو رد کر دیا گیا۔

منظومہ شمسی کی پیدائش سے متعلق اگرچہ دوسرے نظریات بھی وجود رکھتے ہیں لیکن موجودہ زمانہ میں سائنسدانوں کا اتفاق ہے کہ منظومہ شمسی میں پائے جانیوالے "کرے" "گیس" کا ڈھیر ہیں اور ہماری زمین و آسمان کبھی ایک تھے بعد میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

قرآن نے صدیوں قبل آسمان کی خلقت کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں کہا ہے:۔

"خدا نے آسمان و زمین کو ایک دھویں جیسے مادہ سے پیدا کیا۔

کفار اس طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتے
کہ آسمان وزمین دونوں آپس میں ملے
ہوئے تھے ہم نے اس کو جدا کیا۔ ہم ہی
نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ ان
حقائق کے مشاہدہ کے بعد بھی کیا وہ
خدا پر ایمان نہیں لائیں گے"؟۔ ؎۱

مشہور دانشمند "کاموف" لکھتا ہے :۔
ہمارے سروں پر چمکتا ہوا آفتاب
گیس کے ڈھیر سے وجود میں آیا۔ اسی
گیس کے جب مختلف حصے ہوئے تو
سیارات پیدا ہوئے۔
اس آتشی مادہ نے دنیا کو کیونکر
خلق کیا، اس مادہ میں کون کون سی
قوت تھی، کس شخص نے اس مادہ میں صلاحیت

؎۱ سورہ انبیاء ۲۹

پیدا کی تھی ـــــــ؟ اس جیسے بہت
سے سوال ہیں جو آفتاب و ماہتاب اور
نظام شمسی کے دوسرے سیاروں سے
متعلق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

انھیں سوالات پر اسرار ہستی کی
معرفت منحصر ہے اور ان کے جواب کیلئے
صدیوں سے ارباب عقل و ہوش مشغول
ہیں۔ ؎۱

ایک انگریز مفکر لکھتا ہے :۔

کروڑوں سال قبل ہمارے
سورج کے قریب سے ایک ستارہ نے
عبور کیا اور پھر فضاء میں ایک بھیانک
دھماکہ ہوا جسکے بعد سورج سے جلتا ہوا
ایک لمبا سا حصہ جدا ہوا، پھر یہ مادہ

؎۱ سرگذشت زمین ص۴۳

خود بخود چھوٹے بڑے حصوں میں تقسیم
ہوا اور اپنے حجم کے اعتبار سے چھوٹے
بڑے سیارے پیدا ہو گئے۔ [1]

سورہ انبیاء کی وہ آیت جسے میں نے گذشتہ صفحہ پر تحریر کیا ہے آسمان کی پیدائش سے متعلق عجیب وغریب نظریہ کا انکشاف کرتی ہے۔

قرآن کے بیان کے مطابق آسمان ایسے مادہ سے وجود میں آیا جسے " دخان وگیس" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ آج کے سائنسدانوں کا فیصلہ ہے کہ آسمان کی خلقت جس گیس سے ہوئی ہے اس میں کچھ آہنی اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔

قرآن نے اسی حقیقت کو نہایت علمی انداز میں لفظ " دخان" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ " دخان" اسی مادہ کو کہتے ہیں جو گیس اور آہنی اجزاء سے مخلوط ہو۔

---

[1] نجوم بی تلسکوب ص ۸۳

آج جب سائنس نے ہمیں یہ بتایا کہ سیارے
ایک بڑے جسم سے ٹوٹ کر پیدا ہوئے اور پھر اس جدا
ہونے والے ٹکڑے سے مختلف سیارے وجود میں آئے
تو آج کی اس تحقیقات کے مشاہدہ کے بعد یہ اقرار
کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہونا چاہئے کہ قرآن نے
چودہ صدیوں پہلے انھیں حقائق کو پیش کیا تھا۔ چونکہ اس
وقت کا علمی معیار پست تھا لہٰذا فکر انسانی ان حقیقتوں
کو محسوس نہ کر سکی

کیا ان اسرار کی صداقت کو آج کے سائنسی آلات سے
پر کھنے کے بعد جیسے قرآن نے چودہ صدیوں قبل بیان
کیا تھا یہ یقین پیدا نہیں ہوتا کہ ان حقائق و اسرار
کی خبر دینے والا عالم وخبیر ہے

ڈاکٹر "بوکائی" صاف وصریح الفاظ میں کہتا ہے۔
آج کے سائنسی تجربات گذرے زمانوں
کے حالات وکیفیات کیلئے مستقل رائے رکھتے
ہیں ۔ سائنس کا فیصلہ ہے کہ دنیا "گیس"

سے مشابہہ مادہ سے رفتہ رفتہ وجود میں
آئی۔ اس گیس میں "ہائیڈروجن" اور "ہیلیوم"
کے اجزاء اساسی حیثیت رکھتے تھے۔ کچھ
عرصہ کے بعد اس مادہ سے مختلف ٹکڑے
منقسم ہوئے۔

ماہرین فزکس PHYSIQUE اگر ان
جدا ہونے والے اجزاء کا حجم معلوم کرنا
چاہیں تو اندازہ لگا سکتے ہیں ان اجزاء کا
حجم ہمارے سورج کے مقابلہ میں ایک ملیارڈ
سے سو ملیارڈ گنا زیادہ ہے اس
اندازہ گیری کے بعد کہکشان کے حجم کا
اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی
اسی "دخانی مادہ" سے وجود میں آئی سورہ سجدہ
کی نو سے گیارہ آیت میں اجرام سماوی اور
زمین کی پیدائش سے متعلق جو اشارہ ملتا
ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موجودات

ایک مرحلہ میں سامنے نہیں آئی بلکہ دو مرحلوں
سے گذری ہیں۔ اجرام سماوی کی تخلیق
سے قبل "دخانی مادہ" یک جا تھا اچانک
دھماکہ پیدا ہوا اور پھر سورج اپنی آب و تاب
اور پھر اس سے زمین وجود میں آئی۔

لہذا اس "دخانی مادہ" کی تصدیق
آج کی سائنس سے ہوئی ہے۔ آج کے
آلات بھی یہی بتاتے ہیں کہ ایک زمانہ
میں "دخانی مادہ" دھماکہ کے ساتھ پھٹا
اور پھر اس کے اجزا سے موجودات
عالم سامنے آئے۔

زمین و آسمان کی خلقت سے متعلق
چودہ صدی قبل قرآن نے جو نظریہ پیش
کیا ہے اسکے مطالعہ کے بعد یہ یقین نہیں آتا کہ
قرآن انسانی فکر کا تراشا نتیجہ ہے ؎۱

؎۱۔ توریت، انجیل، قرآن و علم ص ۲۰۹ - ۲۰۲

۲۔ آج کے علمی حلقوں میں یہ موضوع زیربحث آتا ہے کہ ہماری دنیا کی وسعت کیا ہے ۔۔۔ دنیا کی وسعت کچھ دنوں قبل تک ایک ایسی حقیقت تھی جس سے فرزند آدم آگاہ نہیں تھا۔ لیکن قرآن نے اس راز کو حیرت انگیز الفاظ میں چودہ صدی قبل ان لفظوں میں پیش کیا ہے ۔

والسماء بنینا ھا باید و انا لموسعون ۔ ؎۱

ہم نے آسمانوں کو اپنے بل بوتے
پر پیدا کیا۔ اور ہم اس میں وسعت
دیتے رہتے ہیں ۔

یہ آیت صاف و صریح لفظوں میں دنیا کی وسعت، اجرام سماوی، اور کہکشاں کا تذکرہ کرتی ہے جبکہ ایک صدی سے زائد نہیں ہوا کہ انسانوں نے فضائی وسعت کو معلوم کیا ہے ۔

مشہور محقق "بارشت" لکھتا ہے ۔۔۔

؎۱ ۔ سورہ ۵۱ آیت ۴۷

عصری کیمروں نے ہماری زمین سے
کافی فاصلہ پر گردش کرتی ہوئی کہکشاں
کی جو تصویریں لی ہیں۔ اسے دیکھنے کے بعد
سائنسدانوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ
ہر کہکشاں فضاءِ بسیط میں ہمیشہ رواں دواں
ہے کہکشاں کا منظومہ شمسی میں ہر آن و لمحہ
ایک دوسرے سے فاصلہ بڑھتا ہی
جا رہا ہے۔

ایک کہکشاں کا دوسری کہکشاں
سے کم سے کم فاصلہ تقریباً پانچ سو سال
نوری کا ہے

بہرحال یہ طے ہے کہ دنیا ہر آن و لمحہ
اپنے اندر وسعت پیدا کر رہی ہے جس
طرح صابن کا حباب بڑھتا رہتا ہے اسی
طرح ہماری دنیا کا دائرہ بھی وسیع ہوتا
رہتا ہے — لیکن جیسے جیسے یہ کہکشاں

ہماری زمین اور خود ایک دوسرے سے
دور ہوتی جاتی ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے
کہ ایک وقت وہ تھا جب سب ایک
"ذہانی مادہ" کی شکل میں یکجا تھی ۔ ؎۱

ایک دوسرا محقق لکھتا ہے :۔

دنیا روز بروز وسیع تر ہوتی جا
رہی ہے جسطرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں
یہی نظر آتا ہے کہ کہکشاں ہر آن و لمحہ ایک
دوسرے سے دور ہوتی جارہی ہے ۔ فاصلہ
بڑھتا ہی جارہا ہے جس وقت آپ ہماری
اس تحریر کو پڑھ رہے ہونگے اتنے عرصہ میں
کہکشاں دو لاکھ میل ہماری زمین سے
دور ہو چکی ہوگی ۔
جسطرح کارتوس کے ذرات فضاء

؎۱ ۔ جہاں دانش آئن ص ۱۱۲ (EINSTEIN)

میں پھٹنے کے بعد منتشر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح خلا میں عظیم دھماکہ ہوا اور کہکشاں اسی دھماکہ کے بعد "دخانی مادہ" سے جدا ہوئی۔ اور ابھی تک خلا میں پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ اس مثال اور اصول کی روشنی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب منظومہ شمسی و اجرام سماوی مادہ کی شکل میں منجمد تھے۔ اور خلا میں سورج سے ہزار گنا بڑا مادہ معلق تھا یا یہ کہا جائے کہ خلا میں ایک "ٹائم بم" پایا جاتا تھا جو "دس بیلین" سال پہلے چکا چوند کر دینے والی کرنوں کے ذریعہ پھٹا۔ اور آج تک اسکے اجزا کہکشاں، دخان، کرنوں، اور آکسیجن کی شکل میں خلا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔[1]

---

[1] از کہکشاں تا انسان ص ۲۷

قرآن مجید نے اسرار کائنات کی طرح انسانی
فکروں کو متوجہ کیا ہے
اگر انسان خدا کی نشانیوں اور اسرار کائنات
پر غور و خوض کرے تو اسکی قدرت اور اس کے وجود پر
لا محالہ ایمان لائے گا۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:—
اسمیں تو شک کوئی نہیں کہ آسمانوں اور
زمین کی پیدائش رات و دن کی آمد و رفت میں
عقلمندوں کیلئے خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔
جو لوگ اٹھتے بیٹھتے خدا کو یاد کرتے ہیں اور
زمین و آسمان کی آفرینش پر غور کرتے ہیں بے ساختہ
کہہ دیتے ہیں ——
پروردگارا تو نے اسکو بے کار پیدا
نہیں کیا ہے۔ تو فعل عبث سے پاک و پاکیزہ
ہے ہمیں اپنے لطف و کرم کے ذریعہ عذاب جہنم سے بچا لے[1]

---

[1] آل عمران ۹۱ - ۱۹۰

قرآن اور ترقی جدید

نظام شمسی میں ہر ایک کرہ اپنے مخصوص محور و مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اس کے اسباب و علل کیا ہیں قرآن ان الفاظ میں تعبیر و تشریح کرتا ہے:۔

خدا ہی نے کرات آسمانی کو غیر محسوس
ستون کے سہارے استوار کیا، پھر عرش کو
پیدا کیا، شمس و قمر کو تمہارے لیے مسخر
(فرماں بردار) کیا ان میں سے ہر ایک وقتِ مقررہ
تک گردش کیا کرتے ہیں۔

خدا ہی جہاں ہستی کا مدبر و خالق ہے
اس نے اپنی نشانیوں کو بڑے واضح انداز
میں تمہارے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ
تم روز قیامت اس کے سامنے حاضری

کا یقین پیدا کر سکو۔ ؎۱

اب تو دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ " نیوٹن " ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے زمین کی قوت کشش کو معلوم کیا، اگرچہ "نیوٹن" نے تحقیقات کی دنیا میں گوناگوں علوم دریافت کیے، لیکن ان تمام معلومات و تحقیقات میں سب سے زیادہ شہرت اسے زمین کی قوت کشش دریافت کرنے پر ہو ئی، نیوٹن سے متعلق ملتا ہے :۔

نیوٹن نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر جسم
کا زمین پر گرنا، آفتاب و ماہتاب کی گردش،
سیارات کی حرکت، ایک ہی قانون کے
تابع ہے اور وہ قانون " قوت کشش " ہے۔
قوت کشش کا تصور اسوقت تک ثابت نہیں ہو سکتا
جب تک ہم اسکے قائل نہ ہو جائیں کہ منظومہ شمسی
میں گردش کرنیوالے سیارے کسی وقت میں یکجا تھے۔

؎۱ سورہ رعد ۔ ۲

گذشتہ آیت میں قرآن بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ـــــ کرہ آسمانی جو ہمارے سامنے بغیر کسی سہارے وستون کے ٹھہرا ہوا ہے اور اپنے محور پر گردش کر رہا ہے اس کا راز صرف، اور صرف قوت کشش ہے، جسے خالق کائنات نے نظام شمسی میں مقرر فرمایا ہے۔

قرآن نے اس علمی وتحقیقی حقیقت کو جن الفاظ میں پیش فرمایا ہر دور وہر عصر کے انسانوں کے لئے قابل فکر ونظر ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام نے اسی آیت کے ذیل میں اپنے اصحاب سے فرمایا:۔

کیا قرآن نہیں کہتا کہ ہم نے آسمانوں کو
بغیر کسی ستون وسہارے کے پیدا
کیا ـــــ؟

صحابی نے جواب دیا ـــــ
بیشک قرآن کا ارشاد تو ہے ـــ
پھر حضرتؑ نے فرمایا ـــــ

اس کے معنی یہ ہیں ستون وجود رکھتے ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتے۔ [1]

مادہ پرستوں نے دنیا کی فنا اور انسانوں کی نابودی سے متعلق جو نظریات بنائے ہیں قرآن اسے باطل کرتے ہوئے یوں کہتا ہے:۔

"کیا یہ لوگ اپنے سروں پر سایہ فگن آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کس قدر محکم و مضبوط خلق کیا اور اسے ستاروں نے زینت بخشی، نہ اس میں کہیں شگاف ہے اور نہ کہیں جوف ـــــ، کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک چکے ہیں ـ کہ دوبارہ ایسا خلق نہیں کر سکتے ـــــ نہیں ہرگز نہیں ہم عاجز و مجبور نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ خود اپنے تئیں یہ خیال کرتے کہ ہم عاجز و مجبور ہیں۔"

---

[1] تفسیر برہان ج ۲ ص ۲۷۸

یعنی جو لوگ اپنی کوتاہ نظری وکوتاہ بینی کیوجہ سے دنیا کے سکون وٹھہراؤ کے قائل ہیں شدید اشتباہ میں مبتلا ہیں ــــ جبکہ خود انسان اپنی دنیا کے ساتھ عروج وترقی کی شاہ راہ پر رواں دواں ہے ۔ نہ صرف یہ کہ انسان صرف اپنی زندگی تک ترقی وتکامل کی شاہ راہ پر رواں دواں ہے بلکہ مرنے کے بعد صبح قیامت کے نمودار نہ ہونے تک اس کی روح بھی ترقی وتکامل کے مرحلوں کو طے کرتی رہے گی ــــ یہ خیال خام ہے کہ موت پر زندگی کا سفر ختم ہو جاتا ہے ۔

قرآن نے مرنے کے بعد کے حالات کو صرف فلسفی پہلو سے پیش نہیں کیا ہے بلکہ نہایت سادہ، عام فہم اور حسین انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے جس سے روح کی بقا، قیامت میں حساب وکتاب کے لئے حاضر کئے جانے کا پتہ چلتا ہے ــــ یہ وہ خبریں ہیں جسے اس نبیؐ کے ذریعہ پیش کیا جو عوام کی اصطلاح میں "العیاذ باللہ" جاہل تھا جس نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی

جس میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، جہاں پہلے سے دور دور تک علم و آگہی کا نام و نشان نہ تھا۔

قرآن نے ایک موقع پر زمین کی داخلی کیفیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سربلند پہاڑ جسے ہم ساکت و جامد و بے حس و حرکت سمجھتے ہیں یہ ساکت و جامد نہیں ہیں بلکہ یہ بھی اپنے اندر نمو کی صلاحیت و طاقت رکھتے ہیں۔

کیا تم پہاڑوں کی طرف نظر اٹھا کر
نہیں دیکھتے، تم خیال کرتے ہو یہ بیجان
ہیں، نہیں! ایسا نہیں۔ جس طرح ابر
اپنے اندر حرکت و سرعت رکھتے ہیں
اسی طرح ان پہاڑوں میں بھی رشد و نمو
پایا جاتا ہے۔ یہ خدا کی کاریگری ہے
جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا ہے۔ خدا
تمہارے افعال سے واقف و باخبر ہے۔ [1]

---

[1] سورہ نحل ۸۸

آیۂ قرآنیہ کی تلاوت کے بعد ذہن کو جھٹکا پہنچتا ہے کہ زمین کے سینے پر پھیلے ہوئے سربلند پہاڑ جامد و ساکت نہیں، بلکہ ہمارے احساس میں سکوت و جمود ہے ورنہ یہ شب و روز کی گردش میں لاشعوری طور پر تحول و ترقی کے مرحلوں سے گذر رہے ہیں ــــ یہی حرکت و تحول ہے جو تمام موجودات عالم پر حکمرانی کر رہا ہے اور اسی سے اشیاء میں دوام و استحکام باقی ہے۔

ممکن ہے قرآن کا پہاڑوں کو ابر سے تشبیہ دینے کا مقصد اس کی سنگینی و استحکام اور خدا کی قدرت کیطرف اشارہ کرنا مقصود ہو ــــ دنیا کے انسان تو پہاڑوں کی سنگینی کو معلوم کرنے سے قاصر ہیں لیکن خدا ہر شئی پر قادر ہے ــــ اس ترقی یافتہ دنیا نے ابھی سایہ کا وزن معلوم نہیں کیا ہے۔ لیکن امام چہارم علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اے وہ خالق جو سایہ کے وزن سے باخبر ہے ــــ حسینی

مشہور سائنس داں " گالیل " Galile نے تین صدی

قبل زمین کے متحرک ہونے پر دلیلیں ارباب علم و دانش کے سامنے پیش کی تھیں اس عصر نو میں اس کی دلیلوں نے زمین کی حرکت کو مستحکم دلیلوں سے ثابت کر دیا ـــــ لیکن جس وقت اس نے زمین کے متحرک ہونے کی خبر دی تھی اس وقت مخالفت کا ایک طوفان تھا جو ہر طرف سے بلند تھا ـــــ اس کے نظریات کو ہر شخص باطل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن قرآن نے ہزاروں سال قبل جاہل و غیر متمدن ماحول میں زمین کی حرکت اور پہاڑوں کے خلقت کے راز کو ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے :۔

کیا میں نے زمین کو مثل گہوارہ اور
پہاڑوں کو مثل میخ نہیں پیدا کیا [1]
خدا نے زمین پر پہاڑوں کے لنگر
ڈال دیئے تاکہ زمین کو غیر موزوں حرکت
سے روک سکے۔ [2]

---

[1] سورہ نبا، ۶، ۷ ، [2] سورہ لقمان ۱۰

قرآن کریم نے مادر گیتی کو گہوارہ سے تشبیہ دیا ہے۔
سمجھنے والوں کے لئے یہ خود ایک لطیف اشارہ ہے کیونکہ جس طرح
گہوارہ حرکت کے باوجود راحت و اطمینان کا سبب ہوتا ہے
اسی طرح یہ زمین بھی اپنی حرکت کے باوجود قابل زحمت و اذیت
نہیں۔

سورہ ملک زمین کی تشبیہ ان الفاظ میں کی ہے :۔
میں نے زمین کو تمہارے لئے مہار کئے
ہوئے ناقہ کی طرح پیدا کیا جس کی
آہستہ روی کے سبب سوار کو اذیت
و تکلیف نہیں ہوتی۔

قرآن نے زمین کی حرکت کی طرف اس وقت اشارہ
کیا جب ساری دنیا کے ارباب دانش و بنیش بطلیموس کے
نظریہ کو تسلیم کئے ہوئے تھے جس میں اس نے زمین کو ٹھہرا ہوا
تسلیم کیا تھا۔

قرآن نے زمین کے متحرک ہونے کی خبر "گالیل" جیسے
مشہور سائنس داں کے وجود سے ہزار سال قبل دی تھی۔

قرآن نے پہاڑوں کو لنگر کی حیثیت سے پہچنوایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ زمین گرد و غبار، ذرات اور سنگریزوں کا مجموعہ ہے اگر زمین پر پہاڑوں کا وزن نہ ہوتا، تو اٹھنے والے مد و جزر اور ماہتاب کی کشش کبھی کا ویران کر چکی ہوتی ــــ یہ پہاڑ ہی ہیں جو مضبوط و مستحکم بن کر زمین کو تباہی سے روکے ہوئے ہیں۔ لیکن زمین اس وزن کے باوجود غیر محسوس طور پر لامتناہی سفر کی راہ پر لگی ہوئی ہے۔

پہاڑوں کی صلابت و سختی کے ساتھ زمین کے سینے میں بہتے ہوئے سیال مادے اور بلند ہوتی ہوئی گیس (بخارات) بھی زمین کے توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اگر سربلند پہاڑ نہ ہوتے تو ہماری مادر گیتی اپنے بطن میں بہنے والے سیال مادوں کے دباؤ سے لرزتی رہتی ــــ اور آئے دن مسموم گیس سطح زمین پر بسنے والوں کی زندگی تلخ کر دیتی۔

ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سربلند پہاڑ ہماری زمین کا لنگر اور خدا کی وہ عنایت ہے جس کے زیر سایہ ہم اس زمین پر سکون کی سانس لے

رہے ہیں ۔

زمین کی بیضوی و کروی شکل کی طرف بھی قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے :۔

فلا اقسم برب المشارق والمغارب

میں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں ۔

واضح رہے کہ متعدد مشرق و مغرب اسی وقت ہوسکتے ہیں جب زمین کروی شکل کی ہوگی کیونکہ زمین کی حرکت کی وجہ سے نقطہ طلوع وغروب قہری طور سے ہر روز بدلتا رہے گا۔ کیا یہ حقائق ہمیں قرآن کی عظمت سے آشنا نہیں کرتے ۔۔؟

علم جدید نے قرآن کی اس خبر کی بھی تصدیق کردی جسے اس نے چودہ سو سال قبل پیش کیا تھا۔ جسم انسان و حیوان میں غذائیں تحلیل ہوکر کیسے دودھ بنتی ہیں۔ قرآن اس موضوع کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے :۔

(۲ان لکم فی الانعام لعبرۃ لنسقیکم)

مما فی بطونہ من بین فرث و

دم لبناً خالصاً سائغاً

للشاربین۔ ؎۱

اس میں کوئی شک نہیں چوپایوں میں تمہارے لئے درس عبرت ہے اس کے پیٹ میں گوبر اور خون بھرا ہے اس میں سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لیئے خوشگوار ہے۔

قرآن نے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسے علم جدید کا ماہر ڈاکٹر "بوکای" اپنی کتاب میں یوں لکھتا ہے:۔

قرآن نے دودھ کی پیدائش کیطرف
جن الفاظ میں ارشاہ کیا ہے اسے سمجھنے کیلئے
جسم انسانی میں کام کرتے ہوئے اعضاء
کو سمجھنا ہوگا۔ جسم میں جب غذا پہنچتی
ہے تو قوت ہاضمہ اسے ہضم کرکے فضلوں
کو مفید اجزاء سے الگ کرتی ہے پھر وہ

؎۱ سورہ نحل ۶۶

مفید حصّہ رگوں میں منتقل ہوتا ہے۔
مفید اجزاء پورے جسم میں
براہ راست رگوں کے ذریعہ پہنچتے ہیں
غذا کا نچوڑ نظام جسم کے ذریعہ جگر میں
پہنچتا ہے۔ جگر میں پہنچنے کے بعد
مواد غذائی میں پھر تبدیلی ہوتی ہے۔
اور پھر مواد غذائی خون کی رگوں کے
ذریعہ پورے جسم میں پہنچ جاتے ہیں۔
یہی مواد غذائی جب رگوں کے
ذریعہ پستان میں پہنچتے ہیں تو پھر وہاں
پہنچ کر یہ مواد غذائی دودھ کی شکل
میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس طرح
خون دوسرے اعضاء کو غذاء منتقل
کرتا ہے اسی طرح پستانوں کو بھی
مواد غذائی فراہم کرتا ہے۔
اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ

دودھ دراصل اسی معدہ سے چھن کر
پستانوں تک پہنچتا ہے جو معدہ گوبر
اور خون سے بھرا ہوا تھا۔

یہ وہ حقیقت ہے جسے آج علم "PHYSIOLOGIE"
اور علم "CHIMIE" نے ہمارے سامنے پیش کیا زمانہ محمد مصطفیٰؐ
کے انسان ان حقیقتوں سے ناآشنا تھے۔ [1]

نباتات کی پیدائش سے متعلق بھی سائنس اور قرآن
میں اتحاد نظر آنے لگا ــــ کچھ دنوں قبل سائنس دانوں نے
نباتات کی پیدائش سے متعلق جدید معلومات حاصل کیں ــــ
سائنس دانوں کے مطابق ہر موجود نرد مادہ کے CELLULE
(سلوں) کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔

جب تک "خوردبین" MICROSCOPE کی ایجاد نہیں
ہوئی تھی یا ذرات کی طاقت سے انسان آگاہ نہیں تھا
اس وقت تک کسی کو اس کی خبر نہیں تھی کہ موجودات عالم

---

[1] توریت انجیل، قرآن وعلم ص ۲۶۸

نر و مادہ کے سلول " CELLULE " کے باہمی ارتباط سے پیدا ہوتی ہیں ــــ اس راز سے نہ صرف یہ کہ زمانہ پیغمبر اسلامؐ کے افراد بے خبر تھے بلکہ جب تک " نباتات شناسی " کا شعبہ قائم نہ ہوا اس وقت تک عصر جدید کے افراد بھی بے خبر تھے۔

صاحبان تحقیق نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس وقت تک کسی موجود کی پیدائش نہیں ہو سکتی جب تک نر و مادہ کے CELLULE کا باہمی ارتباط نہ ہو۔

سب سے پہلے جس شخص نے اس حقیقت کا پتہ لگایا وہ " شارل لینہ " ہے ــ یہ سوئد " SUED " کا رہنے والا تھا ۱۷۰۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۸۷ء میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

عصری اطلاعات کے مطابق نباتات کی پیدائش نر و مادہ کے مادہ حیاتی کے ایک دوسرے تک منتقل ہونے ہی کی صورت میں منحصر ہے ــ جب تک مادہ حیاتی منتقل نہیں ہونگے اس وقت تک نباتات روئیدہ نہیں ہو سکتے ــــ مادہ حیاتی کے ایک دوسرے تک پہنچنے کا ذریعہ مکھیاں حشرات

(کیڑے مکوڑے)، شہد کی مکھیاں یا اسی قسم کے دوسرے اسباب ہوتے ہیں۔ "مادہ حیاتی" کے انتقال کا سب سے اہم ذریعہ ہواؤں کی موجیں اور تیز و تند جھونکے ہیں۔ ہوا ان ذرات حیاتی کو ایک دوسرے تک منتقل کرتی ہے۔

قرآن کریم نے صاف و صریح لفظوں میں نباتات کی زوجیت اور ان میں پائے جانے والے سلول "CELLULE" کا تذکرہ کیا ہے ـــ جس پر علم گیاہ شناسی سے قبل جہالت و بے خبری کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

الم یروا الی الارض کم انبتنا
فیھا من کل زوج کریم۔ [1]

کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف غور نہیں کیا، ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہے:۔

اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا

---

[1] سورہ ۲۶ آیت ۷

اور اسی پانی سے مختلف قسم کی
جوڑا جوڑا گھانسیں اگائی۔ ۱

سورہ یٰسین میں فرماتا ہے :-

ہر عیب سے پاک وپاکیزہ ہے وہ
ذات جس نے زمین سے اگنے والی
چیزوں اور خود انھیں اور بہت سی
ایسی چیزوں جن کی انھیں خبر نہیں
جوڑے پیدا کئے۔ ۲

قرآن نے انسان حیوان اور نباتات کی زوجیت کے تذکرہ کے بعد گفتگو کو ختم نہیں کیا بلکہ رشتہ زوجیت کے دائرہ کو مزید بڑھاتے ہوئے فرماتا ہے :-

میں نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا تاکہ
تم لوگ نصیحت حاصل کر سکو۔ ۳

کائنات کی کوئی مخلوق قانون زوجیت سے خارج نہیں ہے

---

۱ سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۵۳ ، ۲ سورہ یٰس ۳۶ آیت ۳۶ ، ۳ ذاریات آیت ۴۹

جو شئے بھی کائنات کا جزء ہے اسی قانون سے پیدا ہو سکتی ہے ۔

آج کے انسانوں نے اپنی وسیع معلومات اور عمیق مطالعہ کے ذریعہ کائنات کے چپہ چپہ بلکہ ذرہ ذرہ کی حقیقت و صلاحیت کو معلوم کر لیا ـــ کائنات کا مختصر ترین ذرہ جسے ایٹم کے نام سے پکارتے ہیں ۔ ایٹم جیسا باریک ذرہ بھی قانون زوجیت سے خالی نہیں ۔ وہ بھی دو قوتیں رکھتا ہے ـــ ایک مثبت ہے اور دوسری منفی ۔

اگرچہ ماہیت کے اعتبار سے دونوں جزء ایک ہی ہیں لیکن مثبت و منفی قوتیں ایک دوسرے کو جذب کرتی رہتی ہیں ۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صنف مخالف کی طرف میلان ہر شئے میں پوشیدہ ہے اور جب تک موجودات عالم ایک دوسرے سے قریب نہیں ہوتیں اس وقت تک اس جیسی کسی مخلوق کا وجود میں آنا ممکن نہیں ـــ اور اگر نر و مادہ کے مادہ حیاتی ایک دوسرے تک منتقل نہ ہوں تو

پھر نباتات برگ و بار نہیں دے سکتے۔

موجودات عالم کی ہر شئ میں زوجیت کا تصور نزول قرآن کے وقت جب ہر طرف جہالت و بے خبری کا عروج تھا بے حد حیرت انگیز تھی، کیونکہ اس وقت لفظ زوجیت سے ذہن انسانی میں وہ تمام تصورات گردش کرنے لگتے تھے جو صنف مخالف کے لئے سوچے جا سکتے ہیں۔ علم گیاہ شناسی سے قبل قرآن کا لفظ زوجیت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا خود قرآن کی حقیقت کا زندہ معجزہ ہے کیونکہ لفظ زوجیت سے جو مفہوم ادا ہوتا ہے وہ کسی اور لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

لہذا قانون زوجیت سے کائنات کے ذرہ کو بھی جدا نہیں کیا جا سکتا موجودات عالم اپنی تمام رنگ و بو کے ساتھ زوجیت کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے۔

انگریز محقق کہتا ہے:۔

"۱۹۵۵ء میں تجربہ نے یہ بات ثابت کر دیا کہ ہر شئ اپنے اندر مثبت اور منفی دو طرح کی قوت رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم فزیک "PHYSIQUE" کے ماہرین نے عصری امکانات فراہم ہو جانے کے بعد ایٹم شکن مشینوں کے ذریعہ "PROTON" اور "NEUTRON" جیسے خفیف ذرات کی مثبت و منفی قوتوں کا پتہ لگایا۔ اور اس حقیقت کا اعتراف کر لیا جس کی طرف قرآن نے چودہ سو سال قبل متوجہ کیا تھا۔ [۱]

اسی حقیقت کو بیسوی صدی کا ماہر فزیک PHYSIQUE مسٹر "ماکس پلانگ" یوں کہتا ہے :۔

"ہر جسم مادی PROTON اور ELECTRON کے مجموعے سے مل کر تیار ہوا ہے"۔ [۲]

قرآن اور عصر جدید کی ہم آہنگیوں کا ایک نمونہ اور ملاحظہ ہو :۔

علم "CHIMIE" کے تجربات سے یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ زمین کا حجم و دائرہ درختوں اور پودوں کی جڑوں

---

[۱] مجلہ دانشمند شمارہ ۴ جلد ۹، [۲] تصویر جہان در فزیک جدید ص ۹۵

کے ذریعہ بڑھتا رہتا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں:۔

زمین کے وہ مسامات جس سے وہ پانی جذب کرتی ہے انھیں مسامات سے ہوا بھی زمین میں داخل ہوتی ہے۔ زمین میں اس دو حیاتی مادہ کے پہنچ جانے کے بعد درختوں اور اور پودوں کی جڑیں فطری طور سے تروتازہ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر باریک باریک ریشوں سے ہزاروں دوسرے ریشے زمین میں پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں ماہرین کے انداز کے مطابق جڑوں سے پھوٹ کر پھیلنے والے باریک باریک ریشے ممکن ہے ایک سینٹی میٹر کے فاصلہ میں دو ہزار سے زائد ہوں۔

ماہرین یہ بھی کہتے ہیں زمین میں پھیلنے والی جڑیں ۹۵ فیصد غذا، ہوا، سے اور ۵ فیصد خود زمین سے حاصل کرتی ہیں ـــ اسی طرح درختوں اور پودوں کی جڑیں اندر ہی اندر موٹی ہوتی جاتی ہیں اور اسی طرح زمین کا دائرہ و حجم بڑھتا رہتا ہے جسے ہم محسوس نہیں کر پاتے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

زمین کو نہیں دیکھتے جس وقت

خشک ہو کر بے آب وگیاہ ہو گئی پھر
ہم نے اس پر پانی برسا دیئے جس
سے وہ حرکت وجنبش میں آگئی اور بڑھنے
لگی ۔ ہم نے اس پر مختلف خوشنما
سبزے اگائے ۔ ؎۱

عصر جدید نے قرآن کی کہاں تک تصدیق کی ہے یہ ایک طولانی سلسلہ ہے اشارہ کے طور پر چند نمونے پیش کر دیئے یہ آخری نمونہ ہے جسے پیش کر رہا ہوں ورنہ اگر لکھنے بیٹھوں تو دفتر تیار ہو جائے ۔

قرآن کریم ہوا کی افادیت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اشارہ کرتا ہے ۔

ہم نے ایسی ہوائیں چلائی جسمیں یہ صلاحیت تھی
کہ وہ پھلوں کو وجود میں لا سکیں ۔ اور ہم نے
آسمان سے پانی نازل کیا ۔ ؎۲

؎۱ سورہ حج ۵ ، ؎۲ سورہ حجر ۲۱

قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ ابر کی ضرورت اور اس کے وجود پر پڑے ہوئے پردہ کو اٹھا دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نکتہ کی طرف بھی توجہ مبذول کرا دی کہ ہواؤں کے جھونکے نر درختوں سے مادّہ جذب کر کے مادہ درختوں تک منتقل کرتے ہیں جس سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔

متمدن انسان نے جب سائنسی آلات کی مدد سے ترقی کرتے کرتے ہوا شناسی کیلئے علم "METROLOGIE" کی بنیاد رکھی تو اس علم کے سامنے آنے کے بعد قرآن کی آیت کا مفہوم سامنے آیا۔ علم ہوا شناسی کے ماہرین کا اس سلسلہ میں یہ خیال ہے:۔

زمین سے اٹھتے ہوئے
بخارات کا فضا میں پہنچنا
اور پھر وہاں قطرات بن جانا
صرف بارش کا سبب نہیں بلکہ درختوں
اور نباتات کا باہمی

پیوند بھی بارش کے اسباب میں اہم عنصر
کی حیثیت سے شریک ہے ۔

یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ابر کا وجود، اس کا غلیظ ہونا، بارش و برف کی آمد اسوقت تک دیکھنے میں نہیں آسکتی جب تک نر و مادہ درخت کے باہمی پیوند کے سبب بخارات فضا میں صعود نہ کریں ۔ درختوں کا باہمی پیوند مصنوعی بارش کیلئے بھی ضروری ہے مصنوعی بارش کرانے کیلئے فضا میں ہوائی جہاز کے ذریعہ ANIDRID کاربونک کے اجزا چھڑکے جاتے ہیں ۔

"ڈاکٹر بوکائی" قرآنی ارشادات پر جھومتے ہوئے کہتا ہے :-

آج کی علمی تحقیقات میں بھی بڑی بڑی غلطیاں
پائی جاتی ہیں لیکن قرآن کی علم و آگاہی میں
کہیں سے غلطی نظر نہیں آتی اس حقیقت
کو محسوس کرنے کے بعد مجھے خود اپنے نفس
سے سوال کرنا پڑا کہ اگر قرآن انسانی
کاوش کا نتیجہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ

ساتویں صدی میں جو بات کہی جائے وہ آج
کے تحقیقاتی دور میں بالکل صحیح ہو۔؟
کیا ممکن ہے کہ انسانی اطلاعات
صدیوں قبل اسقدر صحیح ہوں۔؟
میرا فیصلہ ہے کہ قرآن کسی طرح انسانی
کلام نہیں کیونکہ عقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں
کہ جسوقت فرانس میں "ڈاگوبر" حکومت
کر رہا ہو اسوقت جزیرہ عرب میں سکونت
کرنے والا شخص ایسی علمی آگاہی رکھتا
ہو جسکا انکشاف دس صدیوں کے بعد ہوا ہے۔ [1]

---

[1] ۔ تورات انجیل و قرآن و علم ص۱۶۷-۱۷۳

قرآن نے جو کہا وہ ہوا۔

۶۱۱ء میں مرسل اعظمؐ کی بعثت ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب ایران "خسرو پرویز" کے زیرنگیں تھا۔

بعثت آنحضرت کے وقت "روم شرقی" اور "ایران ساسانی" یہ دو بڑی حکومتیں تھیں جو مادر گیتی کے متمدن و مہذب انسانوں پر حکومت کر رہی تھیں۔ یہ دونوں حکومتیں اپنے حدود و اقتدار کی توسیع اور ایک دوسرے سے اپنی بالاتری منوانے کیلئے آپس میں برسرپیکار تھیں۔

انوشیروان کے زمانہ سے رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔ اور خسرو پرویز کے دور اقتدار تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

انوشیروان نے اپنے وزرار کے مشورون، اور انکے پیہم ورغلانے کے سبب "صلحنامہ" کو نظر انداز کرتے ہوئے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ایرانیوں نے اپنی فتح کا جھنڈا شام، انطاکیہ، اور ایشاء صغیر پر لہرا دیا

اس جنگ میں انطاکیہ و ایشائے صغیر بری طرح تخت و تاراج ہوئے بیس سال کے بعد جب دونوں طرف کی عسکری و فوجی قوتیں اور طنطنے گھٹے تو دونوں جنگجو لشکر کے درمیان مزید صلح ہوئی اور طرفین نے صلحنامہ پر دستخط کر دیئے۔

انوشیروان کے بعد اقتدار میں تھوڑی بہت تبدیلیاں آئیں آخر کار "خسرو پرویز" سریر سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ خسرو پرویز نے ۶۱۴ء میں دوبارہ رومیوں پر حملہ کر دیا، پہلے ہی حملہ میں شام و فلسطین اور افریقہ کو رومیوں سے چھین لیا ــــ یورشلم کو لوٹ لیا اور مزار مسیح کو آگ لگا دی شہروں کو ویران کر دیا اس جنگ میں بھی ایرانیوں کو کامیابی حاصل رہی۔

خدا پرست رومیوں کی آتش پرست ایرانیوں کے ہاتھوں شکست مکہ کے بت پرستوں کیلئے انتہائی مسرت کا سبب ہوئی مسلمانوں کے ولولہ پست ہو گئے کیونکہ قبلہ اول بیت المقدس بھی ایرانیوں کے قبضہ میں جا چکا تھا مشرکین عرب نے اس جنگ کو اپنے لئے فال نیک تصور کیا، دل ہی دل میں

مسلمانوں پر غلبہ پانے کا خواب دیکھنے لگے۔

ان حالات نے مسلمانوں کو بے حد سراسیمہ کر دیا، کفار کے منصوبوں سے مستقبل ان کی نظروں میں تاریک ہو چکا تھا کہ اچانک پیغام وحی نے رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کا مژدہ سنایا اور کہا کہ دس سال کے عرصہ میں رومی اپنی کھوئی ہوئی عزت وطاقت کے دوبارہ مالک ہو جائیں گے۔

قرآن کے الفاظ یہ تھے ـــ

رومیوں نے حجاز کے قریب اہل فارس
سے شکست کھائی" لیکن یہ دس سال سے
کم ہی میں اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں
گے ـــ خدا ہی تمام امور پر قادر ہے
خواہ وہ کسی وقت درپیش ہوں جس
دن رومیوں کو فتح ہو گی اس وقت
مسلمانوں کو خوشی ہو گی خدا ہی جسکی
چاہتا ہے مدد کرتا ہے ـــ وہی قادر
و مہربان ہے ـــ یہ خدا کا وعدہ ہے

اور خدا کا وعدہ کبھی بدلتا نہیں
اگرچہ اکثر یقین نہیں کرتے ۔۔

روم آیت ۶

قرآن کی پیشین گوئی ۲ ہجری یعنی ۶۲۵ء میں پوری ہوئی ۔ ابھی دس سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ روم و ایران کے درمیان گھمسان کا رن پڑا رومی لشکر درانہ ایرانیوں کے حدود مملکت میں داخل ہو کر ایران پر قابض ہو گیا ۔

مسلمانوں کو رومیوں کے غلبہ کی پوری امید تھی ۔ مسلمانوں نے قرآن کی اطلاع ہی کے مطابق پورے یقین کے ساتھ ابی بن خلف کے ساتھ شرط لگالی تھی کہ ایرانیوں کو شکست ہو گی اور رومیوں کو ان کا کھویا ہوا وقار دوبارہ مل جائے گا ۔ ؎۲

قرآن نے واقعہ سے دس سال قبل ایک ایسی کامیابی کا پتہ بتایا ظاہر بہ ظاہر جسکے کوئی آثار دکھائی نہیں

؎۱ مجمع البیان ج ۸ ص ۲۹۵

دے رہے تھے۔

حالات کے دھارے اور عوام کے رجحانات و خیالات کے تجزیہ کے بعد اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ ایسا انقلاب آسکتا ہے جو شکست خوردہ ہیں فاتح اور جو فاتح ہیں ان کے سر شکست و ہزیمت سے جھک جائیں گے۔

یہاں پہنچ کر سوچنا پڑتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے دس سال بعد ایک جنگ کے ہونے کی خبر کیسے اور کہاں سے دی؟۔

کیا ممکن ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ جس طرح دنیا کے دوسرے سیاست داں حالات کا تجزیہ کرکے پیشینگوئی کردیا کرتے ہیں پیغمبر اسلامؐ نے بھی اسی طرح حالات کا تجزیہ کرلیا تھا ــــــــ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ شکست خوردہ قوم جسے فاتح کے حوصلوں نے پسپا کردیا ہو، خود اعتمادی کی طاقت جن سے سلب ہوچکی ہو، ایک عرصہ کے بعد فاتح پر غالب آجائے۔ جبکہ جنگ میں طرفین کی کامیابی کو یقینی طور سے کبھی بھی

نہیں بتایا جاسکتا کیوں کہ معمولی سے اشتباہ کے سبب چشم زدن میں نقشہ بدل جاتا ہے جو ویوں سے آگے بڑھتے ہوتے ہیں دیکھتے دیکھتے پسپا ہو جاتے ہیں۔

اسی جگہ پہنچ کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آنحضرت ؐ کے پاس وحی کی وہ ناقابل انکار قوت تھی جسکے ذریعہ بھیانک جنگ کی خبر اس وقت دی جب دور دور تک کوئی آثار محسوس نہیں کیے جارہے تھے

ایک دوسری خبر

قرآن پیشینگوئیوں کے مختلف واقعات کا تذکرہ کرتا ہے اس میں چند نمونے یہاں تحریر کر رہا ہوں۔

۱۔ پہلا واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ جسمیں مسلمانوں نے مشرکین پر فتح پائی قرآن فتح مکہ سے قبل اس کی خبر ان الفاظ میں دیتا ہے۔

خدا نے اپنے پیغمبر کو خواب میں جو
الہام فرمایا تھا حقیقت ہے۔ انشا۔۔۔

مسلمان مناسک حج و عمرہ کی ادائیگی
کے لئے مسجد الحرام میں بڑے سکون و
اطمینان کے ساتھ واپس ہو گئے۔ تم
کسی طرح کا خوف نہ کرو جو تم نہیں
جانتے خدا اس کو بھی جانتا ہے۔ اس
نے تمہیں مکہ سے قبل خیبر کی فتح
عطا کی۔ [۱]

مذکورہ آیت میں قرآن، مسجد الحرام میں مسلمانوں کے داخلہ" بے خوف و ہراس اعمال عمرہ کی ادائیگی" مشرکین کی شکست، اور ان کے حوصلوں کے پامالی کی خبر دے رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو مستقبل قریب میں خیبر کی فتح کا مژدہ بھی سنا رہا ہے جبکہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کا مکہ میں وارد ہو کر اعمال عمرہ کا بجالانا ارباب سیاست کے نزدیک قطعی طور سے ناممکن تھا کیونکہ مسلمانوں کے حالات

---

[۱] فتح آیت ۲۶

ایسے نہیں تھے کہ کفار مکہ پر فتح پا سکیں۔ اس جگہ کہنا پڑتا ہے کہ فتح مکہ پیغمبرؐ کے سورما و ساونت اصحاب اور اسلحے کے بل بوتے پر نہیں وجود میں آئی، بلکہ اس کامیابی کی پشت پر خدا کی نصرت تھی جس نے غازیوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا

قرآن نے متعدد بار اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے معجزات اور انہیں انکے دشمنوں پر کامیابی و فتحمندی عطا کرنیوالی ذات خدا ہی کی ہے۔

حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام مخصوص حالات اور امکانات کے ساتھ سماج و معاشرہ کی اصلاح کے لئے افق تاریخ پر نمودار ہوئے۔ ان حضرات نے خدا اور بندوں کے درمیان مادیت و جہالت کے پڑے ہوئے پردوں کو اپنی تبلیغ اور اپنی درخشاں ہستی سے اٹھا دیا۔ اور انسانوں کو بشریت کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کرتے ہوئے راہ حق و صواب پر گامزن کرا دیا۔

حضرات انبیاء کرام کی بعثت سماج و معاشرہ کیلئے قہری طور سے لازم و ضروری تھی کیوں کہ جب سماج و معاشرہ حد

سے سوا پستی میں جا چکا ہو اس وقت انھیں بیدار کرنے اور انہیں ان کی حیثیت پہچنوانے کے لیے کسی ایسے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس وقت کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا اور انہیں برمحل بیدار کیا۔

تاریخ کے تجزیہ اور مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرات انبیاءؑ نے ٹھیک اسوقت ظہور فرمایا جب سماج و معاشرہ کو انکی شدید ضرورت تھی، ان حضرات نے بھی پستی و تنزلی کی کھائیوں میں گرتے ہوے معاشرہ کو فراز علم و شعور تک لانے میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔ اب یہ انسان کا فریضہ ہے کہ موجودات عالم کی فنا و بقا، شام و سحر کی آمد و رفت، اور ہر شی کی تسبیح و تقدیس کی صداؤں کو سنکر متوجہ ہو اور اپنا رشتہ خدا سے استوار کرنا چاہے تو کرے اور زمین پر خدا کا خلیفہ و جانشین بننا چاہے تو بن جائے۔

اب انسان کی ذمہ داری ہے کہ اس بھری پری دنیا میں رہ کر راہ حق و صواب کو اختیار کرے، اگر اس نے

اپنے لئے صحیح راستہ طے کرلیا تو اس نے زندگی کا مقصد "حیات کا مفہوم" اور رشد و ہدایت کا جادہ پالیا۔

تاریخ کہتی ہے صاحبانِ فکر و دانش نے تعلیماتِ الٰہی کی نورانیت سے متاثر ہوکر دنیا کی ہر نعمت و عشرت کو خیرباد کہا اور شمعِ رسالت و نبوت کا پروانہ بن گئے

آمدم بر سرِ مطلب :۔

قرآن ایک تاریخی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے جسمیں دلیرانِ اسلام نے خیبر نامی محکم و مضبوط قلعہ کو اپنی پے بہ پے شکست کے بعد حاصل کیا تھا۔ خیبر کی فتح نے یہودیوں کے دل کو پست کردیئے۔ اس کامیابی کا تذکرہ کچھ دنوں قبل بطور پیشنگوئی قرآن پیغمبرِ اسلام سے کرچکا تھا۔

کیا خیبر کی پیشنگوئی کو بھی پیغمبرِ اسلام کی سیاسی مہارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو ایسے حالات میں رونما ہوئی جب مسلمانوں کی عسکری قوت کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہوگی۔؟ نہیں ہرگز نہیں ——

بغیر کسی شرط وقید کے مستقبل کی خبر دینا یہ عام انسانوں کا کام نہیں بلکہ اس ذوات قدسیہ کا کام ہے جنکی نگاہیں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتی رہتی ہیں۔

اسلام نے اپنی فاتحانہ جنگوں میں نہ صرف کفر وشرک کے جتھوں پر غلبہ پایا بلکہ انہیں اپنے افکار وخیالات سے متاثر بھی کر دیا۔

جس وقت مرسل اعظم نے مکہ معظمہ کے ہمت شکن وروح فرسا ماحول میں کلمہ " وحدہ لاشریک " بلند کیا تبلیغ کے امکانات نہایت محدود تھے۔ مسلمانوں کا مستقبل بھی بہت زیادہ خوش آئند نہ تھا۔ آئے دن بدلتے ہوئے حالات میں کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ کل کیا ہوگا۔ ابتدائے اسلام میں جو شدید دعوت مرسل اعظمؐ کے خلاف تھے کچھ دنوں کے بعد شمع رسالت کا پروانہ ہو گئے ایسے بدلتے ہوئے حالات میں قطعاً کوئی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ کس انسان کا انجام کیا ہوگا۔ ایسا بھی ہوا، جو طلوع صبح کے وقت کٹر دشمن اسلام تھے قریب شام آفتاب رسالت

سے کسب نور کر کے ہمیشہ کیلئے منور ہو گئے ـــــ ایسے غیر واضح اور مضطرب ماحول میں قرآن ابو لہب کی دشمنی اور آخر وقت تک اسلام کی مخالفت کی پیشنگوئی پورے یقین و اعتماد سے ان الفاظ میں کرتا ہے

ابو لہب اسلام و پیغمبر اسلام کی دشمنی پر تلا ہوا ہے
اسکے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ محو اسلام کیلئے جو سرمایہ
اکٹھا کیا تھا نہ اس کے کام آیا اور نہ اسکی پونجی اسے عذاب
الٰہی سے بچا سکی عنقریب بھڑکتے ہوئے شعلہ جہنم میں داخل
کر دیا جائے گا ع۱

ارباب تاریخ جسوقت ابو لہب کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح لفظوں میں لکھتے ہیں کہ اس کی موت کفر اور اسلام دشمنی پر ہوئی رسل اعظم کی عداوت و دشمنی کا شعلہ تا دم مرگ اس کے سینوں میں شعلہ ور رہا۔ برسہا برس قبل قرآن نے ابو لہب کے انجام کی جس

ع۱۔ لہب

طرح خبر دی تھی اسمیں سر مو فرق پیدا نہ ہوا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید الہامی و الہی کتاب ہے ہمارے حواس و ادراک اسکی بلندیوں کو چھو نہیں سکتے ۔

قرآن میں سیکڑوں ایسے مواقع دیکھنے میں آتے ہیں جہاں قرآن نے مستقبل کی جیسی خبر دی تھی بغیر کم و کاست وہی وجود میں آئی مثلاً ــــ سورہ حجر میں مرسل اعظمؐ سے وعدہ کیا کہ دشمن گزند نہیں پہنچا سکتے ــ جب کہ حالات ایسے نازک پیدا ہو گئے تھے کہ کوئی امکان نہ تھا کہ مرسل اعظمؐ کی جان محفوظ رہ سکے ــــ لیکن گذرتے ہوئے زمانے نے اس وعدہ کی حقیقت کو دنیا پر واضح کر دیا ۔

یا ــــ مثلاً ــ سورہ کوثر میں اس کی خبر دی کہ نسل پیغمبرؐ صبح قیامت تک انشاءاللہ تعالیٰ مالی رہے گی جبکہ دشمن رسالت کو امید تھی کہ اولاد نرینہ نہ رہنے کی وجہ سے نسل آنحضرتؐ منقطع ہو جائے گی لیکن خالق نے اکلوتی بیٹی سے نسل آنحضرتؐ کو قائم رکھا

کیا معبود کے علاوہ کسی میں یہ ہمت و طاقت ہے کہ زمانے کے بہتے ہوئے دھارے کے خلاف پیش گوئی کرے اور وہ حرف بہ حرف صحیح ہو ؟

اسی طرح ــــ مکہ سے مدینہ کیطرف ہجرت کرتے وقت جب مرسل اعظمؐ پر جوار خانہ خدا کی جدائی شاق ہوئی تو قرآن نے تسکین دیتے ہوئے کہا۔

اے رسولؐ ! جس خدا نے آپ پر قرآن
نازل کیا آپ کو دوبارہ آپ کے وطن،
پلٹا دے گا ۔ ع۱

جبکہ مکہ کے حالات ایسے نہیں تھے کہ کسی وقت بھی واپسی کا امکان پیدا ہوسکتا۔ کیونکہ اگر حالات ذرا بھی مناسب و مساعد ہوتے تو پیغمبر اسلام قطعاً مکہ معظمہ سے ہجرت نہ فرماتے ــــ یا مثلاً سورہ نصر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ کی فتح ، حصار اسلام میں جوق در جوق لوگوں کی آمد کی

ع۱ ۔ سورہ قصص ۔ آیت ۸۵

پیش گوئی قرآن نے اسوقت کی جب جزیرہ العرب کے افق پر کفر و شرک کا بول بالا تھا

اس قسم کی تمام پیش گوئیوں کی پشت پر علیم و خبیر پروردگار کی نصرت و مدد کار فرما تھی ــــ کسی طرح ان پیش گوئیوں کو انسانی ذہانت و ذکاوت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ــ

اسلامی انداز :ــ

اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں نے اپنے سبھی گھمسان کے معرکوں اور کامیابیوں میں قرآن کے ارشادات و الہامات سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن اپنی بھرپور کامیابی و غلبہ کے باوجود اپنے مخالف سے اسطرح پیش آئے جسکی خود کفار کو توقع نہ تھی ــ مسلمانوں نے چلتی ہوئی تلواروں اور کٹتے ہوے سروں کے وقت بھی اس کا خیال رکھا کہ ان کا مقصد ان جنگوں سے مادر گیتی پر عدل و انصاف کو فروغ دینا اور خدائے وحدہ لاشریک

سے لوگوں کو آشنا کرانا ہے۔ لہٰذا بھرپور قدرت و طاقت کے بعد ان افراد کو معاف کر دیا جنھوں نے زمانہ کفر میں انھیں شدید ایذائیں پہنچائی تھیں ــــ اسلام کے مقصد اور اسکی بالاتری نے ان کے جذبہ انتقام کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔

امام علیؑ بن ابی طالبؑ:-

جس کی نظر میں خود اپنے نفس کی عزت ہو گی، وہ اپنی خواہشات نفسانی کو بے وقعت سمجھے گا۔

کلمات قصار

نہ بدلنا تھا نہ بدلا:۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محقق وفلسفی کی معلومات وتحقیقات میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا رہتا ہے اسکی تحقیق ونظر میں بھی اسی طرح تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کسی وقت وہ کسی مسئلہ میں کچھ رائے رکھتا ہے لیکن جیسے جیسے اسکی تحقیق و تلاش کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے حقیقت پر پڑے ہوئے پردے اس کی نظروں سے اٹھتے رہتے ہیں۔ ناچار جدید معلومات اسکے ذہن پر چھپی پچھلی باتوں کو محو کرکے خود اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جسکے سبب ارباب فکر ونظر کے خیالات ونظریات میں تناقض وٹکراؤ دیکھنے میں آتا ہے۔

یہ اختلافِ نظر انسان کی زندگی میں طولانی وقفہ کے بعد بہرحال دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ مزاج، طبیعت، خصلتیں، عادتیں اور افکار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اور اگر کہیں یہ وقفہ ۲۲ سال کا ہو تو پھر افکار میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔

صاحبان قلم، ارباب فکر و نظر اور قانون ساز شخصیتوں کی تحریر، تقریر اور قوانین میں ہمیشہ تجدید نظر، اختلاف رائے دیکھنے میں آتی رہتی ہے۔ خصوصاً جب انسان مختلف حالات، حوادث اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہو تو ایسے حالات میں اسکی فکر کسی ایک نقطہ پر جمع ہو ہی نہیں سکتی۔ خواہ وہ اپنی رائے میں کسی قدر مصمم ہی کیوں نہ ہو ـــــ حالات کے نشیب و فراز" ماحول کا دباؤ" فکر و ارادہ کے ثبات کو متزلزل کر دیا کرتے ہیں۔

انسان کا خاصہ ہے مجبوری و بیچارگی میں اس کا انداز فکر کچھ اور ہوتا ہے لیکن جیسے ہی سریر اقتدار پر آتا ہے اس کی گفتگو، لہجہ اور آہنگ بدل جاتا ہے۔ ماضی میں اس نے جو منصوبہ و ارادہ بنایا تھا موجودہ امکانات کی روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے ـــــ اقتدار بھی انسان کے طرز تفکر میں تبدیلی پیدا کرنے کا ایک سبب ہے۔

جو افراد ضرورت سے زائد ذہین یا دوسرے لفظوں میں چالاک ہوتے ہیں وہ خواہ کسی قدر دقت و توجہ سے کیوں نہ بولیں فطری طور سے ان کی باتوں میں ٹکراؤ و تناقض پیدا ہو

ہی جاتا ہے ـــــــ اور اگر کہیں ایسے ماحول میں ہوں جہاں برابر مختلف موضوعات پر تقریریں کرنا پڑتی ہوں تو پھر بیانات میں ٹکراؤ کی بہت زیادہ نظیریں مل جاتی ہیں۔

لیکن ـــــــ قرآن نے عمیق و دقیق مسائل کو مختلف موضوعات کے ضمن میں متعدد بار ذکر فرمایا، انسان کے اجتماعی، انفرادی، ملکی، اخلاقی اور عالمی مسائل کو نہایت دقت سے پیش کیا لیکن ایک پیام دوسرے پیام سے معمولی سا بھی تناقض و ٹکراؤ نہیں رکھتا، باوجودیکہ آیات قرآنیہ تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئیں۔

ممکن ہے اس جگہ کوئی شخص یہ کہے کہ جب قرآن کے بیان میں تناقض و ٹکراؤ نہیں تھا تو کیوں بعض احکام کو جو پہلے بتائے جاچکے تھے دوسری آیتوں کے ذریعہ منسوخ کر دیئے گئے یہاں صرف یہ کہکر آگے بڑھ جانا چاہتا ہوں کہ یہاں منسوخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قرآن نے اپنے سابق نظریہ میں تبدیلی پیدا کر دی بلکہ وہ حکم جسے اس نے پہلے دیا تھا وہ ایک محدود زمانہ اور وقت کے لئے نازل ہی ہوا تھا۔ اور جب دوسری آیت نازل ہوگئی تو

وہ محدود دور ختم ہوگیا گویا قرآن نے دونوں حالات کو روزِاول مدنظر رکھتے ہوئے ضرورت حال کے پیش نظر دو مختلف زمانوں کے لئے دو مختلف حکم پیش کیا تھا۔ قرآن کا یہ انداز عین مطابق عقل ہے کیونکہ جب مصلحت اجازت نہ دے کہ مستقبل میں کوئی حکم پیش کیا جائے اس وقت عارضی حکم اس احتیاج کو پورا کیا کرتا ہے ـــــ انسانوں کے حکم یا نظریہ میں تبدیلی کیوجہ خطاو اشتباہ ہوتی ہے ـــــ قرآن کریم کیلئے یہ تصور بھی خطا ہے۔ قرآن اس سلسلہ میں کہتا ہے :۔

اے رسولؐ ـــــ ہم جب ایک آیت
کے بدلے دوسری آیت نازل کرتے ہیں
درانحالیکہ خدا جن چیزوں کو نازل کرتا ہے
اسکی مصلحتوں سے خوب واقف ہے۔
لیکن یہ لوگ تم کو افترا پرواز کہتے ہیں۔
جبکہ ان میں کے اکثر خود نہیں جانتے۔
اے رسولؐ ـــــ آپ ان سے کہدیں
کہ اس قرآن کو جبرئیلؑ نے ہمارے پروردگار

کی طرف سے بالکل صحیح نازل کیا ہے۔
تاکہ ایمان دار اس کے ذریعہ راہ حق و
صواب پر گامزن رہ سکیں۔ یہ قرآن تو
مسلمانوں کے لئے سرتاپا خوشخبری ہے۔ [1]

اس جگہ قرآن کے معانی و مطالب کو دو طریقوں سے جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ اگر انسان ہر آیت کو علاحدہ علاحدہ غور کرے تو آیت کی کیفیت و نورانیت میں کسی طرح کی کمی نظر نہیں آتی اور جب مجموعہ آیات پر نظر ڈالتا ہے تو بیان میں کسی قسم کا تضاد و تناقض نہیں پاتا۔ یہ خود قرآن کا زندہ معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جس وقت اپنے کو کتاب الٰہی کے عنوان سے پہنچوانا چاہا اسی وقت اپنی یک رنگی و ہم آہنگی کو بھی دلیل و معجزہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگرچہ اس کا نزول ۲۳ سال کے طولانی عرصہ میں انجام پایا۔ لیکن اس طولانی مدت کے باوجود کہیں سے معمولی اختلاف نہیں ــــ جیسا کہ

---

[1] سورہ نحل آیت ۱۰۲

اس کا ارشاد ہے :۔

کیا قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ؟ اگر
یہ کتاب خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف
سے نازل ہوئی ہوتی تو یقینا اس میں
بے شمار اختلاف پاتے ؟۔ [1]

اسی آیت سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ جو لوگ راہ حق و صواب سے منحرف ہوتے ہیں ان کے کلام و بیان میں دورولی پائی جاتی ہے ۔ چونکہ قرآن میں ذرہ برابر اختلاف و انتشار نہیں لہذا یہ اس کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے ۔ قرآن نے اسی انداز کو ہر واقعیت کے سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے اتحاد قول و فعل کے ذریعہ ہر حق کو پہچانا جا سکتا ہے اور باطل سے کنارہ کشی اختیار اختیار کی جا سکتی ہے ۔

جب مرسل اعظم کی سوانح حیات پر نظر ڈالتا ہوں تو ان کی زندگی میں ہزاروں انقلاب اور نشیب و فراز دیکھنے میں

---

[1] سورہ نساء آیت ۸۱

آتے ہیں۔ ایک وقت وہ ہوتا ہے جب آنحضرتؐ بے یار و مددگار، و مفلس و نادار تھے ـــــ ایک زمانہ وہ آیا جب ہر قسم کے مادی وسائل و امکانات آپ کے لئے مہیا تھے دولت و ثروت آپ کی دسترس میں تھی ـــــ ایک وقت وہ تھا جب شعب ابو طالبؑ میں مقید، حالات سے مسلسل جنگ کر رہے تھے کفار کی سختیاں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ بڑے سے بڑے سورما کا پتا پانی ہو جائے ـــــ ایک دن وہ آیا جب پوری دنیائے انسانیت کے لئے قاید و رہبر کی حقیقت سے پہچانے جانے لگے ـــــ بہر حال ایک دور وہ تھا جسمیں جنگوں اور اقتصادی ناکہ بندیوں کا سامنا کیا ـــ

یہ بات واضح ہے کہ ان حالات اور ایسی کشمکش میں زندگی گذارنے والوں کا طرز تفکر ہر روز بلکہ ہر آن فطری طور سے بدلتا رہتا ہے۔ حالات کی عدم یکسانیت کے سبب نظریات میں بھی یکسوئی باقی نہیں رہ جاتی۔ انسان حالات پر قابو پانے کے لئے ہر لمحہ بہتر سے بہتر منصوبہ بناتا رہتا ہے۔

حالات کے مقابلہ میں انسان کا اپنے افکار و خیالات میں تبدیلی لانا بہت سے مقاصد کے پیش نظر ہوتا ہے۔ کبھی اس لیۓ تبدیلی لاتا ہے کہ اسکی تبدیلی حیات کے ارتقائی مرحلوں کے طے کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے ـــــ اور کبھی صرف افکار میں تبدیلی لانے کا سبب اپنے کو ایک نئی شکل میں پیش کرنا مقصود ہوتا ہے ـــــ یہی وہ افراد ہیں جو ہر فکر و نظر کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے رکھتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کی زندگیاں ان کے مقاصد کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہیں۔

بہر حال حیات دنیا اپنے مختلف پہلوؤں اور گوناگوں جنبوں سے اپنی حیثیت کی آئنہ دار ہوا کرتی ہیں۔

اگر ہمارا قرآن جو بلاشبہ مختلف حالات اور متعدد زمان یعنی ۲۳ سال کے عرصہ میں جستہ جستہ مکہ و مدینہ کے **قیام** میں مرسل اعظمؐ پر نازل ہوا اگر فکر مرسل اعظمؐ کا نتیجہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ اسمیں یکسوئی و یک روئی باقی رہ جائے کہیں نہ کہیں اختلاف کا پایا جانا لازمی و ضروری تھا ـــــ بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جب ہستی کی معرفت اور اس کی حقیقت سے

متعلق ہزاروں ذہن تھے اور ہزاروں باتیں تو ایسے حالات میں بھی قرآن کے اسلوب و بیان میں ذرہ برابر اختلاف و انتشار پیدا نہ ہو سکا۔

اس کے برخلاف اور قرآن سے ہٹ کر کسی کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اگر اس کتاب میں اجتماعی تاریخی، فلسفی اور ادبی موضوعات کو زیر بحث قرار دیا گیا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اختلاف و تضاد نہ ہو۔ اگرچہ قرآن نے بھی اپنی آیات میں اجتماعی، حقوقی، سیاسی، تاریخی، عسکری اور مسئلہ سزاء وجزاء پر سیر حاصل بحث کی ہے انھیں موضوعات پر انحصار نہیں بلکہ اور سیکڑوں موضوع ہیں جسکی طرف قرآن نے اشارہ کر کے ذہنوں کو جھنجھوڑا ہے۔

بہر حال قرآن وہ کتاب ہے جسکے بیانات مستحکم، جسکے مطالب ناقابل تردید ہیں۔ سب سے پہلا سورہ "اقراء" ہے جو آنحضرت پر نازل ہوا اور آخری سورہ "النصر" لیکن کہیں بھی معمولی سا اختلاف نہیں، روز اول جو انداز و آہنگ و گیرائی و گہرائی تھی وہ آخر تک باقی رہ گئی۔ جس

بات کو ثابت کرنے کیلئے جو دلیلیں اور مثالیں پیش فرمائیں صدیوں گذر جانے کے بعد بھی کسی میں جرأت نہ ہو سکی کہ انگشت نمائی کر سکے۔

قرآن ایک ایسی منظم و مرتب کتاب ہے جو اپنے اندر دنیا کے ہر قانون و اصول کو سموئے ہوئے ہے۔ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جسکی طرح قرآن نے اشارہ نہ کیا ہو۔ قرآن کا ہر موضوع دوسرے موضوع کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کا اپنے دامن میں اخلاقی، اجتماعی، انفرادی، عسکری، عالمی، معنوی اور اخروی مسائل کا بھرپور جواب وحل رکھنا ہی اس کے معجزہ ہونے کی زندہ دلیل ہے۔

قرآن کے پیش کردہ اصول و مسائل کا دشمنوں نے بہ غور مطالعہ کیا کہ کہیں کسی رخ سے اختلاف مل جائے لیکن مختلف موضوعات و مسائل کے باوجود اختلاف نہ پا سکے ۔۔۔ قرآن کی یہی خصوصیت دلیل ہے کہ قرآن بے چون وچرا، دنیا کے افکار و خیالات پر حاوی و

غالب ہے۔ اس کی بالاتری صبح قیامت تک
باقی رہے گی کیوں کہ اس کا نازل کرنے والا حیؔ و
قیوم ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

۱۔ عفت فقر کا زیور ہے اور شکر
دولت مندی کی زینت ہے۔

۲۔ جب عقل کامل ہوتی ہے تو باتیں
کم ہو جاتی ہیں۔

کلمات قصار

قرآن کے لافانی پہلو:۔

قرآن کریم ہی وہ عظیم کتاب ہے جس نے تاریخ انسانیت میں غیر معمولی تبدیلی وانقلاب پیدا کر دیا، قرآن اپنی اعجازی زندگی، عقلی ومنطقی اقوال اور استدلالی بیانات کیوجہ سے ہر صدی کی جبیں پر آفتاب نیم روز کی طرح چمکتا رہا قرآن انسانی زندگی کے مسائل کو جس آسانی سے پیش کر رہا ہے قرآن سے ہٹ کر دیکھا جائے تو دوسری آسمانی والہامی کتابوں میں یہ خصوصیت نہیں، گویا قرآن وہ چشمہ الہی ہے جو انسانونکو زندگی کے ہر مرحلہ میں ناقابل انکار اصول فراہم کرتا ہے۔ قرآن نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے جو قوانین پیش کئے ہیں اس کی بنیادیں انسانی فطرت وطینت پر رکھی ہیں، اس کا ہر اصول انسانی زندگی کے مختلف وگوناگوں حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ قرآن کا یہی انداز اس کے ہمیشہ باقی رہنے کا راز ہے۔

چودہ صدی کے اس وقفہ میں دنیا نے غیر محسوس ترقی کی راہوں کو طے کیا ہے۔ اس عرصہ میں ہزاروں اصول و کلیات باطل ہوئے، لیکن قرآن اسی شان سے باقی ہے جس طرح کل تھا ــــ عصر نو کو علم میں قرآن کی نورانیت ماند نہ ہوسکی۔

کچھ کا خیال ہے کہ اگر قرآن کریم کے اصول و مقررات کو عصر حاضر کے مفکروں، دانشمندوں کے سامنے پیش کیا جائے گا تو قرآن کے مضامین موجودہ بلند پروازیوں کا مقابلہ نہ کر کے اپنا بھرم کھو دیں گے ــــ جبکہ حقیقت بالکل برعکس ہے۔ قرآن آج کے حقوق والوں اور علمی حلقوں میں بیحد اہم حیثیت رکھتا ہے قرآن کی وہ حیثیت جسے آج کے عصر نو نے محسوس کیا ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

دنیا کی تمام کتابیں الفاظ کے محدود قالب میں معانی رکھتی ہیں یہ صرف قرآن کی خصوصیت ہے کہ الفاظ کے محدود قالب میں معانی کا وہ لامحدود ذخیرہ ہے جس کا احاطہ نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ قرآن کی یہ خصوصیت خود اس کی

واضح دلیل ہے کہ اس کا رشتہ علیم وحکیم خدا سے جڑا ہوا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے حماد سے فرمایا ـــــــ
خدا کی قسم جو زمین و آسمان کے درمیان ہے یا جو جنت و جہنم کے اندر ہے آگاہ ہوں یہ سنتے ہی حماد کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں ـ امام علیہ السلام نے مزید فرمایا حماد ـــ ہماری آگاہی و اطلاع کا ذریعہ یہی قرآن مجید ہے پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ـ

یوم نبعث فی کل امۃ شھیدا علیھم
من انفسھم وجئنا بک شھیدا علی
ھولاء ونزلنا علیک الکتاب
تبیانا لکل شئ وھدی ورحمۃ

سورہ نحل ۸۹

اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہر ایک

گروہ میں سے انھیں میں کا ایک گواہ ان کے
مقابل لا کھڑا کریں گے اور اے رسول تمکو
ان لوگوں پر انکے مقابل گواہ بنا کر لا کھڑا کریں
گے اور ہم نے تم پر کتاب قرآن نازل کی
جسمیں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور مسلمانوں
کیلئے سرتا پا ہدایت و رحمت ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے
حضرت کو فرماتے ہوئے سنا ——
خدا کی قسم قرآن نے جن مطالب کو بیان کیا
ہے وہ ابتدا سے انتہا تک ہمارے پاس
ہیں اس کتاب الہی میں زمین و آسمان اور
جو چیز اسکے درمیان ہے اسکی خبر موجود ہے
قرآن ہی ہر شخص کی حقیقت کو واضح کرنے
والا ہے۔
قرآن کریم کتاب ہستی کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح
گردش لیل و نہار ہر روز ایک نیا دن پیش کرتے رہتے ہیں اسیطرح

قرآن بھی زمانہ کے ساتھ ساتھ ہر روز اپنے خزانہ سے تازہ و پرمغز مفہوم و معنی پیش کرتا رہتا ہے۔

چونکہ قرآن کریم عقل و فطرت کی سوئی ہوئی صلاحیت کو مہمیز کرنے ہی کیلئے نازل ہوا تھا لہذا جیسے انسانی، استعداد و معلومات کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے ــــ اسی طرح قرآنی رموز و اسرار بھی عقلوں کو روشنی دے رہے ہیں، آج انسان نے راز کائنات کی گتھیوں کو کل کی بہ نسبت زیادہ سلجھایا ہے اگرچہ انسان کسی ایک شہر و ملک میں ہے لیکن عصری ترقی کیوجہ اسکا ربط پوری عالمی دنیا سے ہے لیکن اس کا ربط پوری عالمی دنیا سے ہے اسکی گردن پر خواہ مخواہ حقوق و فرائض کا ایک سنگین بار ہے دنیا کے ماہرین اس ضرورت کو محسوس کر کے ہر دن ایک اصول پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے اصول اس کمی کو نہیں پورا کر سکتے جسکو آج کی انسانی آبادی طلب کر رہی ہے اس کا حل صرف اور صرف قرآن کے پاس ہے ــ جیسا امیرالمومنین کا ارشاد ہے ــــ

قرآن وہ روشن چراغ ہے جس کی لو
کبھی خاموش نہیں ہوسکتی وہ فکر ونظر کا
ایسا موجزن دریا ہے جسکی گہرائی کا اندازہ
لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ۱

نزول قرآن کے فوراً بعد ہی سے اسلام کی اعلیٰ دماغ شخصیتیں قرآن کریم کے معانی ومطالب کے سمجھنے میں مصروف ہوگئیں اسوقت سے آج تک ہر شخص اپنی استعداد وقوت کے بقدر قرآن کے مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کرتا ہی جارہا ہے اپنے تو اپنے غیر مسلم نے بھی اسمیں موثر قدم اٹھائے اور اسلامی معاشرہ کو بہت حد تک فائدہ پہنچایا ـــــ یہ نہیں کہ آج قرآن کے معانی کا احاطہ ہوچکا ہے بلکہ جس طرح کل قرآن صاحبان ذوق کی کشش وتوجہ کا مرکز تھا اور ہر شخص اپنی فہم وفراست کے دائرہ میں اس سے استفادہ کر رہا تھا۔ اسی طرح آج بھی محققین واہل نظر کی توجہ کا مرکز

۱۔ اصول کافی ص ۵۹۱

بنا ہوا ہے ـــــ گویا قرآن چودہ صدیوں سے صاحبان علم وخرد کیلئے بیش بہا تحفہ اور نادر و اچھوتا ترکہ ہے۔

قرآن کریم اپنے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے وہ جامع کتاب ہے جس کا آج کے مہذب ومتمدن معاشرہ کے ہاتھوں تیار شدہ قانون سے بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ انسانی ہاتھوں سے تیار شدہ قانون میں کوشش تو یہ کی گئی ہے کہ انسانی سعادت وکامرانی کے پورے پورے امکانات فراہم کر دیئے جائیں اور انسان کی مادی ومعنوی راحت کا ذریعہ مہیا کر دیا جائے لیکن ان قوانین کا نقص یہ ہے کہ قانون ساز نے قانون میں صرف انسانی زندگی کے ظاھری پہلوں پر نظر کرتے ہوسے قانون بنائے انسانی فطرت کے بھی کچھ تقاضے اور ضروریات تھے جنکو یک قلم نظر انداز کر دیا۔ یعنی قانون جدید نے معنوی پہلوں کو قابل اعتناء نہیں سمجھا، قانون جدید کا صرف یہی نقص ہے کہ اس نے روحانی وفطری جنبوں کو نظر انداز

کیا، بلکہ اسکی گرفت میں ہزاروں مادی رخ جگہ نہ پاسکے (بھی)
نتیجہ یہ ہوا کہ قانون تو تشکیل پا گیا لیکن سماجی زندگی کے
ہر شعبہ کی پورے طور سے نگرانی نہ کرسکا جسکے نتیجہ میں
بہت جلد ہر قانون پر تجدید نظر کی ضرورت محسوس ہونے
لگتی ہے۔

کسی شخص میں یہ جرأت وہمت نہیں کہ اپنے علمی
وتحقیقی آثار، اور فنی ایجادات کیلئے یہ دعوی کرسکے کہ یہ
ہر آنے والے زمانہ پر حاوی ہے۔ کیونکہ دنیاوی ارتقاء
کے پیش نظر ہر علمی وتحقیقی اور فکری آثار بنیادی طور سے
بدلتے رہتے ہیں

روزمرہ کا مشاھدہ ہے کہ صاحبان فکر و
نظر کی معلومات وتحقیقات جیسے جیسے بڑھتی رہتی ہیں ان
کے افکار ونظریات میں بھی اسی طرح تدریجی تبدیلیاں
آتی رہتی ہیں۔ اپنی جدید معلومات وتحقیقات کے ذریعہ
اپنی گذشتہ خامیوں کو پورا کرتے رہتے ہیں اس قسم
کی تبدیلیوں کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ ہوگا

اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی فکر و ذہن کے عمیق سے عمیق، دقیق سے دقیق، معانی و مطالب کی کوئی حد ہو گی۔ اگر پڑھے لکھوں کی ایک کمیٹی بنا دی جائے تو اس فکری کتاب کے سارے پہلوں کو اشکار کر سکتی ہے ـــــ لیکن جب ہم قرآن کے معانی و مطالب پر غور کرتے ہیں تو چونکہ اس کا رشتہ خالق انسان سے ہے اس لئے اسکے معانی و مفاھیم اور بلاغت و حکمت کے سامنے دنیا کے ماہر سے ماہر، دقیق سے دقیق فکر رکھنے والے قطرہ ناچیز نظر آتے ہیں قرآن کی نورانیت و تابانی کے سامنے ہر فکر دھندلی سی دکھائی دیتی ہے اسیطرح حقیقت و رموز قرآن کو سمجھنے کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہوا ہے

ایسا نہیں کہ قرآن صرف فقہی اعتبار سے اس قدر عمیق و دقیق معانی و مطالب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے بلکہ محققین و اہل نظر فقہیات سے ہٹ کر بھی علوم و آگہی کا انکشاف کر سکتے ہیں۔

آج کے ماہرین نفسیات، مورخین اور سماجیات

کے جاننے والوں نے بہت سے علمی نکات قرآن سے دریافت کئے ہیں ـــــ عصرِ جدید کے مورخین و محققین کا قرآن سے ارتباط خود اسکی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قرآن صرف ایک مخصوص وقت و زمانہ کیلئے منحصر نہیں، بلکہ اسرارِ ہستی کے ہر پہلو کو ہر زمانہ میں پیش کرتا رہے گا

اب تک قرآن پر لکھی گئی کتابوں میں صاحبان دانش و بینش نے جو کچھ لکھا وہ خود انکی اپنی استعداد و صلاحیت پر منحصر تھا۔ لہذا قرآن کے ان الفاظ کو جن سے بہت سے معانی و مطالب سمجھے جاسکتے ہوں صرف چند معانی میں محدود و منحصر کر دینا مناسب نہیں ۔

اگر قرآن کے وہ بیانات جو اسرارِ ہستی، روزِ جزا، مسائلِ دینی، حقوقِ بشری، اور گذرے ہوئے واقعات و حالات پر مشتمل ہیں، آج کی ریسرچ و تحقیق کا موضوع قرار پائیں تو جدید معلومات کے ہزاروں دریچے کھل جائیں گے ۔ اور اگر آج کے سائنسی تجربات کے ذریعہ قرآنی آیات

پر غور وخوض کیا جائے تو حقیقت کائنات کو سمجھنے میں غیر محسوس سہارا مل سکتا ہے

قرآن کا علمی وثقافتی ومعنوی سرمایہ جو صاحبان دانش وبینش کے افکار وخیالات کی شکل میں قلم بند ہوا ہے اور وہ ساری تفسیریں جو علماء ومفسرین نے تحریر کی ہیں اگر سب کو یکجا کیا جائے تو اعداد وشمار کے اعتبار سے لاکھوں تک پہنچ جائیں گی

کیا یہ ممکن ہے کہ یہ خصوصیت کسی ایسی کتاب میں پیدا ہو جائے جسکا پیش کرنے والا نہ صرف یہ کہ خود (العیاذ باللہ) بے پڑھا لکھا تھا بلکہ جس ماحول میں مبعوث ہوا تھا وہ تہذیب وتمدن، علم وآگہی سے بالکل بے بہرہ تھا۔ ۹

آیا عصر جدید کے کسی فلسفی میں یہ توانائی ہے کہ جسطرح اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جامع اصول تیار کئے اسی طرح وہ بھی زندگی کے ہر شعبہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو اور جس طرح انسان ارتقائی منزلوں کو طے کر رہا ہے اسی طرح اس

کا نظام بھی زمانہ کے دوش بہ دوش آگے بڑھتے ہوئے سالم معاشرہ کی تشکیل کر رہا ہو۔

قرآن کے بیانات کا دار مدار، ظن و گمان، حس و خیال پر نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی کہا علم و آگہی، استدلال و قوت پر مبنی تھا، قرآن کی خبریں وہ حقیقت ہے جسے ہر خردمند جو ذوق علمی رکھتا ہو اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اسکا رشتہ اس ذات سے ہے جو انسانی فکروں پر حاوی و محیط ہے

کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن ہر دور میں ان صفات و خصوصیات کے ساتھ باقی رہے اور پھر یہ شبہ ہو کہ انسان کا کلام ہے۔؟ بلکہ قرآن کا یہ اندازہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس کا رشتہ اس خالق سے ہے جو علیم و خبیر ہے اور اسی ارتباط کی وجہ سے اس کے صفات و خصوصیات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

فرانسیسی مورخ اپنی کتاب میں قرآن کی ہمہ گیریت سے متعلق لکھتا ہے ———

جس طرح مجھے قرآن کے ترجمہ میں
فصاحت و بلاغت کی چاشنی ملتی ہے اسی
طرح جناب داؤدؑ کی کتاب مزامیر اور دیگر
کے ترجمہ بھی اپنی زیبائی کی طرف جذب
کرتے ہیں لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ دیگر و مزامیر
کے مجموعہ و سماجی مسائل نہیں رکھتے جیسے قرآن
نے مختلف انداز و الفاظ میں پیش کیا ہے ۔

قرآن سے ہمیں اگر مذہبی مسائل ملتے
ہیں تو خدا کی توصیف و تعریف کا سلیقہ بھی
ملتا ہے، سماجی و معاشرتی مسائل سے روشناس
کرایا تو خدا و بندے کے درمیان کے رشتے
کو مناجات سے واضح کیا ۔ قرآن میں فنون سپہ گری
کی تعلیم بھی ہے اور وعظ و نصیحت کے پیغامات بھی
مناظرہ کا انداز بھی ہے اور تاریخ گذشتہ کا تذکرہ بھی [1]

---

[1] کتاب محمدؐ و قرآن

۱۹۵۱ء میں پیرس یونیورسٹی کے شعبہ حقوق میں ایک پورا ہفتہ فقہ اسلامی کی تحقیق کیلئے مخصوص کیا گیا، اسلام کے چند موضوعات پر تحقیق و ریسرچ ہوئی ہفتہ کے اختتام پر یونیورسٹی نے ان الفاظ میں اظہار نظر کیا۔

> بلاشبہ فقہ اسلامی میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ دنیا کے تمام قوانین سے قطع تعلق کرنے کے بعد باقی رہ جائے کیونکہ فقہ اسلامی میں اختلاف مذاہب کی وجہ سے حقوق انسانی کے بہت سے مسائل کا حل موجود ہے فقہ اسلامی کے ذریعہ انسانی زندگی کی ضرورت و مطالبات کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کی گہرائی:۔

قرآن کی ہمیشہ باقی رہنے والی جاذبیت اور ناقابلِ انکار حلاوت بھی قرآن کی حقیقت ومعرفت تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن سے ہٹ کر یہ چیزیں کہیں اور نہیں ملتی، کسی بھی وجد آور کلام اور ادب کی لڑی میں پروی ہوئی عبارت کو اگر چند بار پڑھ لیا جائے تو وہ تازگی حلاوت وہ کشش جو پہلی بار محسوس ہوئی تھی جاتی رہتی ہے۔ پڑھنے والا بار بار کے تکرار سے نہ صرف یہ کہ لذت نہیں محسوس کرتا بلکہ خستہ و بوجھل ہو جاتا ہے

ہر تحریر میں یہ نقص پایا جاتا ہے، خواہ کسی دور میں تحریر پائے اور بڑے سے بڑے پروردگار علم وادب کی ذھنی کاوش کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو۔ تحریر کا وہ آہنگ واثر جو پڑھنے والے پر پہلی بار مرتب ہوتا ہے بار بار پڑھنے کے بعد باقی نہیں رہتا۔ لیکن جب قرآن کریم کو ہم اس میزان پر تولتے ہیں زمین و آسمان کا فرق

نظر آتا ہے۔

جو افراد جوھر قرآن سے آشنا ہیں انھیں اندازہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت جو کیفیت و اثر جذبات پر مرتب ہوتا ہے وہ متعدد بار کے پڑھنے سے گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے

قرآن کی تلاوت ہر بار ایک نئے احساس و جذبہ کو جنم دیتی ہے جو پڑھنے والی کی روح کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

قرآن کے مفاھیم و مطالب سے ہر انسان اپنی علمی ظرفیت کے بقدر لطف اندوز ہوسکتا ہے جو جس قدر مفاھیم قرآن کو زیادہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اسی قدر زیادہ کیف و سرور حاصل کرسکتا ہے قرآن کی حلاوت معنوی کا دار و مدار خود پڑھنے والے کے ذوق ادب پر منحصر ہے۔

آیات قرآنیہ کے سوز و گداز، درسیات و اخلاقیات اور جوش و اضطراب سے صرف اہل مکہ متاثر نہیں تھے بلکہ حدود مکہ سے بہت دور قرآن کی حلاوت و جاذبیت

سے لطف اندوز ہونے والے لطف اندوز ہو رہے تھے اسکی ایک مثال مرکز مسیحیت حبشہ میں نظر آتی ہے۔ جسوقت کفار قریش نے بادشاہ نجاشی پر دباؤ ڈالا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی سرپرستی میں آنے والے نئے مسلمانوں کو انکے حوالہ کیا جائے اسوقت جناب جعفر نے پیغام قرآن بادشاہ نجاشی کے سامنے پیش کیا، قرآن کی شیریں بیانی نے نجاشی کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔۔۔۔۔ دوسرا موقع خود مرکز اسلام مدینہ منورہ میں دیکھنے میں آیا جب مصعب بن عمیر قرآن کی حلاوت و شیریں بیانی کی ثنا خوانی کر رہا تھا۔

قرآن اپنے اندر ایک ایسا اصول رکھتا تھا جو انسان میں فکری و علمی تبدیلی پیدا کر سکے، اور ہر بے بنیاد و بے مقصد قدروں کو گرا سکے۔۔۔ انسان کو ایسی آگاہی و اطلاع فراہم کر سکے جو اسکے مستقبل کے لئے مشعل راہ بن سکے۔

قرآن نے اپنے پیغامات وارشادات کے

ذریعہ اس جادہ و شاہراہ کی نشاندہی کر دی جو انسان کو باطل کے راستہ سے اس جادہ پر پہنچا دے جہاں سے انسان اپنی معرفت، کائنات کے اسرار، آئندہ کے منصوبہ کو معین کر سکے۔ کیونکہ جب تک زندگی کا ھدف معین نہ ہو اور انسان اسرار کائنات سے آگاہ نہ ہو اسوقت تک زندگی بے کیف و بے مزہ رہتی ہے۔

آج جبکہ نزول قرآن کو چودہ صدیاں گذر چکی ہیں لیکن شش جہت سے تلاوت قرآن کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں ـــــ چپہ چپہ قرآن کی آواز سے گونج رہا ہے خواہ شہر ہو یا دیہات، خیمہ نشین ہوں یا قصر نشین، مسافر ہوں یا مقیم، رات کی تنہائی ہو یا دن کی چہل پہل، ہنگامہ آرائی ہو یا سکوت مسلسل، ھواؤں کے دوش پر ہوں یا پانی کی لہروں پر، قرآن کی تلاوت کا زمزمہ و ھمہمہ ہر جگہ سنائی دے رہا ہے، اور جو قلوب صلاحیت رکھتے ہیں ان پر اپنا نقش ابھارتی رہتی ہے اور ان کی روحوں کو اپنی تازگی وطراوت سے مسرور کرتی رہتی ہے

قرآن کا یہ بھی ایک امتیاز ہے کہ انسانی زندگی میں ہر رخ سے رچ بس جانے کے باوجود انسانی تحریف و خورد و برد سے محفوظ رہا۔

قرآن کی تدوین میں اگر انسانی افکار و نظریات کو دخل ہوتا تو جسطرح انسانی فکروں کے تراشے ہوئے دوسرے اصول و نظام زمانہ کی ترقی کیساتھ کہنہ و ناقابل عمل ہو گئے اسی طرح قرآن بھی وقتی طور سے ایک زمانہ کی ضروریات کو پورا کرتا اور پھر زمانہ اس پرانی جدیدیت کی مہر لگا کر بے کار قرار دیدیتا۔

لیکن چونکہ خالق قرآن کا علم نامحدود اور اسکی طاقت و قدرت کا دائرہ وسیع ہے لہذا قرآن کے کلمات کو اسطرح ترتیب دیا کہ زمانہ کی تبدیلیاں اور اور آئے دن کے نت نئے انکشافات، اسکی تازگی و لطافت کو متاثر نہ کر سکے۔

قرآن کریم کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ انسانی سماج و معاشرہ میں "توحید" رواج پا جائے، توحید

کی جھلک انسان کے ہر افعال و اعمال سے دکھائی دے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اثبات توحید کیلئے جو دلیل پیش کی وہ اپنی جگہ محکم و مضبوط تھی۔

قرآن نے ہر قسم کی جنبہ داری، کوتاہ فکری اور ذات ونسل کے امتیازات کو جو حقیقت فہمی سے مانع ہوں شدید مذموم قرار دیا

قرآن مجید نے معارف وعلوم اسلامی کی اس اچھوتے ڈھنگ سے تعریف وتوصف کی ہے کہ انسان کی روح حق طلب وبلند پرواز اسکی معنویت کی گرویدہ و شیفتہ ہوگئی۔ اور جس وقت انسان آیات الہیہ پر غور وخوض کرتا ہے۔ تو اپنے کو دنیا کے تمام مادی اصول وقوانین سے الگ تصور کرتا ہے اس کا سمند فکر جن بلندیوں پر پرواز کرتا ہوتا ہے کوئی اسے محسوس نہیں کر سکتا۔

قرآن نے جس خدا کی معرفت کیطرف ہمیں متوجہ کیا ہے وہ ایسی قوت ہے جو ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل سے مبرّی ہے۔ دنیا کی ہر موجود ومخلوق میں اسکا حکم چل

رہا ہے ۔ وہ دنیائے مفاہیم میں ایک ایسا مفہوم ہے جسکی انتہا نہیں ـــ نہ فکریں اس کا احاطہ کر سکتیں ۔ اور نہ شعور اسکی حقیقت کو درک کر سکتے ـــ جب کبھی بگڑے ہوئے کام بن جائیں اور امید و آرزو کی فضا پر ناامیدی کے بادل چھا جائیں ـــ تو نہاخانہ دل سے خود بخود ایک آواز اُبھرتی ہے کوئی ہے جو ناامیدیوں کو امید میں بدل دیتا ہے ، ہمارے افعال پر کسی کی دسترس ہے جو بنے ہوئے کام اچانک بگڑ جاتے ہیں ۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں اسی عقیدہ کا پیدا کر لینا خداشناسی کیلئے کافی ہے ـــ حسینی

قرآن اس معبود حقیقی کی ان الفاظ میں تعریف و توصیف کرتا ہے ۔

اس خدائے وحدہ لاشریک کا کوئی مثل و مانند
نہیں وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ؏۱

ا۔ سورہ شوری آیۃ ۱

قرآن نے اجازت نہیں دی ہے کہ خدا کو اس کی
مخلوق سے تشبیہ دی جائے کیونکہ مخلوق یا بصورت مادہ ہے
یا بصورت ENERGI اور خدا ان دونوں میں کچھ نہیں بلکہ
قرآن نے اسکی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے

اسکو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں وہ لوگوں
کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے وہ بڑا باریک
بیں اور خبردار ہے ۱ے

قرآن مجید انسانوں کو فکر و شعور، عقل و ادراک نعمات
الہیہ میں غور و خوض اور حوادث زمانہ سے عبرت و بصیرت
کی دعوت دیتا ہے۔ اگر بندہ مومن قرآن کی راہنمائی اور
اسکے اقوال کی ضیا میں اسرار کائنات اور خود اپنی ذات
کا مطالعہ و مشاہدہ کرے تو اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ پوری
دنیا ایک مخصوص روش پر ایک معین انداز و جادہ پر
رواں دواں ہے۔ اگر انسان رستگاری و نجات

ص ۱ے سورہ الانعام آیہ ۱۰۴

کا خواہاں، اور خداوند کریم کی بارگاہ کی حاضری کا آرزومند ہے تو اس کو چاہئے اسی دنیائے رنگ و بو، اور کائنات کے مٹتے اور ابھرتے ہوئے نقوش اور زندگی کے بڑھتے ہوئے قافلہ میں اپنے کو شریک کرے

قرآن کریم نے خداشناسی کو قلبی امر سے تعبیر کیا ہے یہ وہ عقیدہ ہے جسکا ربط صرف نہاخانہ دل سے ہے خود انسان کی خلقت زندگی کے اصول و قوانین ایسے خالق کی معرفت کیطرف متوجہ کرتے ہیں بشرطیکہ وہ ضمیر کی آواز پر گوش برآواز ہوسکے

مادہ پرست خود اپنی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہیں. وہ اپنے عمل سے خود اپنے جذبہ خداپرستی سے جنگ کررہے ہیں

قرآن کریم نے راہ توحید کے ہر بھٹکے ہوئے کی مذمت کی ہے اور انحراف توحید کو حقیقت کی مخالفت سے تعبیر کیا ہے خواہ یہ انحراف زردشتیوں کے یہاں شریک باری، اور یہود و پیروان مسیح کے

یہاں تثلیث کی ہی شکل میں کیوں نہ رونما ہوا ہو
قرآن اس جگہ کہتا ہے ـــــ
جو لوگ اسکے قائل ہیں کہ خدا تین[۳] میں
کا تیسرا ہے وہ یقیناً کافر ہو گئے۔ [۱]

قرآن ان لوگوں کے نظریہ کی بھی مخالفت کرتا ہے جو جناب عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں ۔ نہ صرف یہ کہ اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہے بلکہ ایسے نظریات رکھنے والوں کو فکری و علمی اعتبار سے نہایت پست تصور کرتا ہے اس کا ارشاد ہے ـــــ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں عزیر و مسیح خدا
کے بیٹے ہیں یہ تو ان کی بات ہے۔ یہ کافر
بھی انھیں یہود و نصاریٰ کی پیروی کرتے
ہوئے کفر بکا کرتے ہیں [۲]

---

[۱] سورہ المائدہ آیت ۷۳

[۲] سورہ توبہ آیت ۳۰

قرآن کریم نے بھرپور روز دیتے ہوئے پیغمبر اسلام سے فرمایا۔

اے رسول ــــ آپ ان سے فرما دیں
کہ حمد صرف خدا کیلئے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا
اور نہ کار دنیا میں کوئی اسکا شریک ہے اس
کی عزت و جلال میں کسی قسم کی کمی نہیں کہ اپنا
سرپرست قرار دے وہ کسی کا محتاج نہیں
اسکی حمد و توصیف اس انداز سے کرتے رہو جو
اس کے شایان شان ہے

قرآن کریم نے ایک مختصر سے سورہ کے ذریعہ اس قسم کا نظریہ رکھنے والوں کو مشرک کے لفظ سے یاد کیا ہے ۔

ارشاد حضرت الٰہی ہے ــــ

اے رسول آپ کہدیں وہ خدائے وحدہ
لاشریک ہے وہ صمد و بے نیاز ہے نہ اسکے کوئی
اولاد ہے اور نہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے اور
نہ کوئی اس کا مثل و مانند ہے ۔ [۱]

---

[۱] توحید

لغوی طور سے صمد کے بہت سے معانی بیان کیۓ جاتے
ہیں منجملہ ان معانی کہ ایک معنی یہ بھی ہے :۔
" ہر وہ شئ جس میں جوف و خلا نہ پایا جاۓ "۔ اگر خلا
کو مادہ تصور کر لیا جاۓ تو عصری تحقیق کی مخالفت ہوتی ہے کیونکہ
سائنس جدید کہتی ہے مادہ کے اندر خلا اور جوف ہوتا ہے
نہایت باریک ذرہ جسے ایٹم سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اپنے
اندر حیرت انگیز خلا و جوف رکھتا ہے ۔

علم فزیک کا ماہر کہتا ہے :۔

کیا خدا کوئی شخص ہے ۔؟ بعض
افراد اسے شخص مانتے ہیں لیکن فکر و نظر
کی روشنی میں ایسا نہیں ۔ عقل و ادراک
اجازت نہیں دیتے کہ خدا مادی تصور
کیا جاۓ کیونکہ وہ بشری قدرت اور
اسکے صفات سے خالی ہے ۔
موجودات عالم اور اسرار ہستی کے
مشاہدہ سے اس کا جلوہ ہر جگہ نظر آتا ہے

اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ
لامحدود عقل و علم و قدرت کا مالک
ہے۔ [1]

ایک ماہر CHIMIE لکھتا ہے:۔

خدا کسی محدود مادی قوت کا نام نہیں۔
ہماری محدود فکریں اور تجربے اس لامحدود
کی تعریف و توصیف نہیں کر سکتے قلب انسانی
اس کے وجود کی شہادت و گواہی دیتا
ہے اگرچہ یہ شہادت قلبی خود علم و
دلیل کے ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ [2]

آج کے سائنس دانوں نے خدا کی جن الفاظ میں توصیف و تعریف کی ہے حقیقتاً یہی وہ تعریف ہے، علم و آگہی جس کا مطالبہ کرتی ہے۔ قرآن نے بھی انھیں علمی حقائق کے ذریعہ صانع عالم کا تعارف کرایا ہے۔ اگر انسان حقیقت

---

[1] اثبات وجود خدا ص ۵۸، [2] اثبات وجود خدا ص ۲۳۰

"توحید" کو سمجھنا چاہیے تو کائنات کا وجود اس کی تلاش وتشنگی کو بجھا دے گا۔

قرآن کریم نے "خداشناسی" کی جو دعوت دی ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم خداشناسی سے متعلق آیات کا تقابل یونانی، زردشتی، کفار عرب اور بدھ مذہب کے عقائد سے کرتے ہیں کیونکہ اسلام جب آیا تو یہ عقاید وافکار دنیا کی بڑی آبادی میں رائج وراسخ تھے۔

جب ہم اس انداز سے غیر جانبدار ہوکر اسلام کا دوسرے مکاتب فکر اور مذاہب وادیان سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے ہمارے لئے جو علمی وعقلی راہیں ہموار کیں اور جس طرح توحید کے صحیح خدوخال پیش کئے کسی اور دین ومذہب کو یہ امتیاز نہیں ـــــ عقیدۂ توحید، نے ہمارے اندر قوت عمل اور مقصد وہدف کی طرف جانے کا سلیقہ پیدا کیا۔

تمام دنیا کے مذاہب وادیان پر قرآن
کی بالاتری خود اس کی حقانیت کی زندہ دلیل ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:۔

غیبت ناکام افراد کا شیوہ ہے۔

کلمات قصار

بشارت مسیح

گذشتہ انبیاء پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے عقیدہ کا اہم جزء ہے۔ اسلام و ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک مرسل اعظمؐ کے ساتھ ماسبق انبیاء کا اقرار نہ کیا جائے۔ مرسل اعظمؐ سلسلۂ رسالت و نبوت کی اہم کڑی تھے سب کا مقصد و ہدف صرف اپنے اپنے وقت کے انسانوں کو یہ عقیدہ "توحید" کو صحیح معنوں میں پیش کرنا تھا۔

قرآن مجید نے حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی عظمت و رفعت کا مسلمانوں سے اقرار لیتے ہوئے ان پر نازل کی گئی کتابوں کے بھی حق ہونے کا اقرار لیا۔ قرآن کا مسلمانوں سے ان کتابوں کی تصدیق کرانا اس بات کی طرح اشارہ تھا کہ گذشتہ دین بھی حق تھا اور انکی کتابیں

بھی

اور اس نکتہ کی طرف بھی ان کے اذہان متوجہ کرانے تھے کہ قرآن جیسے تمہارے لئے ہدایت و نجات کا قانون بنکر آیا ہے اسی طرح ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے پاک و پاکیزہ اصول و قانون کی ضرورت تھی ـــــ قرآن سے قبل نازل ہونے والی کتابیں انہیں پاکیزہ اصولوں کا نام ہے

باوجودیکہ حضرات انبیاء علیہم السلام ایک ہدف، ایک مقصد، اور ایک خدا کے مبلغ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود فروعی طور سے ان سب کے درمیان انداز تبلیغ میں تھوڑا تھوڑا فرق ملتا ہے اس کی وجہ سے کوئی یہ تصور نہ کرے کہ ان سب کا ایک دوسرے سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ یہ جزوی اختلاف ہر دور کے انسانوں کی ذہنی، فکری، ارتقاد کی وجہ سے رونما ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کی ضروریات و کیفیات کو دیکھتے ہوئے احکام اسلامی تعلیم فرمائے ۔

قرآن نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان ہم آہنگی کا تذکرہ یوں کیا ہے :۔

لانفرق بین احد منھم

کسی ایک پیغمبر کے درمیان فرق و فاصلہ قرار نہ دو۔

حضرات انبیاء و مرسلین ؑ کی بعثت روزازل سے اہل زمین کے لئے منظم و مقرر کی جاچکی تھی۔ پروردگار عالم نے نظام دنیا کی اصلاح و فلاح کے لئے حضرات انبیاء و مرسلین کا پورا سلسلہ ایک ادارہ کے عنوان سے پیش کیا۔

جس طرح انسان کی فکری، و علمی ارتقاء کے سبب اس عالم رنگ و بو میں اس کی ضروریات کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔ اسی طرح ان انسانوں کے ہادی و قائد حضرات انبیاء علیہم السلام بھی ضرورت زمانہ کے پیش بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کے ساتھ مبعوث کئے جاتے رہے۔ کسی ایک موقع پر یہ نہیں دیکھنے میں آتا کہ روحانی قیادت نے انسانی ایجاد و اختراع اور

رشد و ارتقاء کا ساتھ نہ دیا ہو ـــــــ ہر ہادی اس دنیا سے جاتے وقت اپنے بعد والے ہادی کے خصوصیات اور اس کی آمد سے بھی اپنے زمانے والوں کو آگاہ و باخبر کرتا رہا ـ

یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام نے گذشتہ انبیاء کی رسالت و نبوت اور ان پر نازل کی گئی کتابوں کی تصدیق و تائید فرمائی ـ

اسی طرح آنحضرت سے قبل مبعوث ہونے والے انبیاء و مرسلین نے بھی اپنے بعد آنے والے انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کا تذکرہ اپنے زمانہ والوں سے کیا اور انھیں ان کے ظہور کی خوشخبری دی ـــ اور اس طرح سلسلۂ ہدایت کی ہر ایک کڑی ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے اجڑ گئی ـــ

اگر چہ کسی ایک نبی کا کسی دوسرے نبی کے آنے اور اس کے مبعوث ہونے کی خبر دیدینا اس کے نبی برحق ہونے کی دلیل نہیں تاہم ارباب فکر و شعور کے لئے

سچے اور جھوٹے دعویداروں کی معرفت و شناخت کا بہت بڑا ذریعہ ہے ۔ انہیں پیشنگوئیوں کے آئینہ میں آنے والے نبی کے جمال و جلال کا مشاھدہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے انبیاء ماسبق نے اپنے بعد والے نبی کے خصوصیات کا تذکرہ اور مبعوث ہونے کی پیش گوئی تو ضرور کر دی لیکن ان کے نام اور اس زمانہ کو نہیں بتایا جس میں مبعوث ہونے والے تھے کیونکہ اسی طرح بہت سے جھوٹے دعویدار پیدا ہو کر اپنے کو سلسلہ ہدایت کی فرد قرار دے لیتے ـــ اور اس طرح مخلوق خدا رسالت و نبوت کے ہزاروں جھوٹے دعویداروں میں سچے دعویدار کو باسانی نہیں پہچان سکتی تھی ۔

اگرچہ تھوڑی سی دقت کے بعد صحیح وحقیقی قائد باطل کے جھرمٹ سے پہچانا جا سکتا ہے لیکن ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ـــ اگر انبیاء و مرسلین نے اپنے بعد مبعوث ہونے والے انبیاء کے اسماء بتا دیئے ہوتے تو نہ صرف یہ کہ حق و باطل کچھ دیر کے لئے مشتبہ و مشکوک ہو جا تا

بلکہ نہ جانے کتنے منصب واقتدار کی گہری خندق میں گر جاتے۔

یہی وجہ تھی کہ جاتے ہوئے نبیؐ نے اپنے بعد کے نبی کی خصوصیات واطوار و انداز کا تذکرہ کر دیا تاکہ جب کبھی نبوت ورسالت کا مدعی پیدا ہو تو انسان ان صفات کے آئینہ میں اور خصوصیات کی میزان پر اس کے دعوے کی تصدیق و تردید کر سکیں۔

جناب عیسیٰؑ کے لئے نہ خود عیسائیوں نے اس کا دعویٰ کیا کہ وہ "خاتم النبین" ہیں اور نہ کسی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے ایسی آواز بلند ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ جو دین ہمیشہ باقی رہنے والا نہ تھا اس کی کتاب قانون بھی ہمیشہ کے لئے سبب ہدایت نہ بن سکی۔ جناب عیسیٰؑ کی کتاب انجیل موجود تو ہے لیکن وہ انجیل نہیں جو ان پر نازل ہوئی تھی انجیل کے معانی ومطالب انسانی فکروں کی "تراش خراش" کا شکار ہو گئے۔ لیکن اس کے برخلاف ہمارے نبیؐ جو سلسلہ ہدایت کی

آخری کڑی تھے۔ آدم علیہ السلام سے چلا ہوا کاروان نور و نورانیت آنحضرتؐ کی ذات پر ختم ہونے والا تھا لہذا ضرورت تھی کہ جو کتاب ان پر نازل ہوئی وہ بھی رسالت کے ساتھ ساتھ زندہ و پائندہ رہے۔ خالق کتاب نے کتاب کی حفاظت کے لئے وہ اسباب فراہم کر دیئے جس سے اسلام کی قانونی کتاب ہمیشہ کے لئے تحریف و تغیر سے بچ گئی۔

قرآن کریم اور "کتب مسیحی" کے درمیان نمایاں فرق یہی ہے کہ قرآن "من وعن" انھیں الفاظ میں موجود ہے جو مرسل اعظمؐ پر نازل ہوئے۔ لیکن اس کے برخلاف مسیحی کتابیں ان الفاظ سے خالی ہیں جو جناب عیسیٰؑ پر نازل کئے گئے تھے۔

موجودہ زمانہ میں جو مسیحی کتابیں پائی جارہی ہیں مثلاً "انجیل مقدس" اس پر علماء و ارباب علم نے شدید نقد و تبصرہ کیا ہے۔ ناقدین انجیل کے مختلف نسخوں کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انجیل مقدس

میں بے حد تحریف وتبدیلی ہوئی۔ زیادہ تر انجیل کے
معانی ومطالب کسی خاص فرد وشخص کے خیالات پر
گردش کر رہے ہیں۔
تاریخ ادیان کا مورخ لکھتا ہے:۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین عیسیٰ
صحیح وحق دین تھا لیکن اسکے
ماننے والوں نے خود شارع ہی
کو مجسم بنادیا۔۔۔ عیسیٰ کی تعلیمات
کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ
انکی ساری تعلیم سے یہی ظاہر ہوتا
تھا کہ خدا جسم وجسمانیت سے خالی
ہے اور وہ خود اسکے کمال وجلال
کا مظہر ہیں۔۔۔ لیکن عیسیٰ کے
پیش کردہ عقائد وافکار تبدیل
ہو گئے، ہر عقیدہ وفکر میں انسانی
فکروں کی چھاپ غالب آگئی اور

جگہ جگہ بشری کمزوریاں اور مجبوریاں
جھلکنے لگی۔ اگرچہ مذہب مسیح کی،
داستان بے حد طولانی ہے ہزاروں
پستی و بلندی سے گذرتی رہی اس
کے دامن ہزاروں عبرت ناک و دل دوز
واقعہ سے بھرے ہیں، جسقدر اس
مذہب میں روحانی مقاصد و مطالب
پائے جارہے تھے اسی قدر یہ دین ان
خصوصیات سے خالی ہوگیا ـــ

لیکن مسیحیت اپنے صحیح خدوخال سے مسخ ہوجانے کے باوجود اپنی کتابوں میں وہ بشارتیں رکھتی ہے جو حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے وجود اور انحضرت کے زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

موجودہ انجیل میں آج بھی "روح القدس" "روح راستی" اور "تسلی دھندہ" جیسی لفظیں ملتی ہیں جسکا مصداق مرسل اعظم کی ذات گرامی ہے ـــ

انجیل میں موجود ہے کہ جناب عیسیٰؑ نے اپنے
حواریں سے کہا ــــ

میں تم سے اب کچھ اور کہنے کو نہیں
رکھتا، اس دنیا کا رئیس آئے گا اور
جو چاہے گا تم سے کہے گا ۱؎

اور ایک موقع پر فرماتے ہیں ــــ

روح راستی کو خدا کیطرف سے
تمہارے پاس بھیجوں گا وہی روح راستی
میری بھی گواہی دے گا۔ ۲؎

ایک موقع پر مزید فرماتے ہیں ــــ

میں تم سے صحیح کہتا ہوں میرا چلا
جانا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر میں
نہیں جاؤنگا تو "تسلی دھندہ" تمہارے

۱؎ یوحنا ۱۴ ۳۰
۲؎ یوحنا ۱۵ ۲۶

درمیان مبعوث نہیں ہوگا۔ اگر میں
چلا جاونگا تو اسکو تمہارے پاس بھیجوں
گا۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن تم ابھی سب
کے سننے کی تاب و توانائی نہیں رکھتے۔

جسوقت وہ "روح راستی" آئے
گا تمہیں ہر طرح سے راہ ہدایت کی
نشاندہی کرے گا۔

وہ "روح راستی اپنے دل سے
کوئی بات نہیں کرے گا بلکہ جو اللہ کی
طرف سے سنے گا کہے گا۔ وہی تمہیں
آئندہ کے حالات سے بھی باخبر کرے
گا۔ اور مری تعظیم و تکریم بھی کرے گا
"روح القدس" تمہیں ہر قسم کی۔
تعلیم دیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ
سب دوبارہ تمکو بتائے گا لہ

لہ یوحنا ۱۴ ۲۶

اگر ارشادات جناب عیسیٰؑ کی توجیہ و تفسیر میں یہ کہا جائے کہ " روح القدس " سے مراد جبرئیلؑ ہیں تو یہ توجیہ صحیح نہیں کیونکہ جناب جبرئیلؑ خود ان کے ہمراہ تھے ــــ اور قول جناب عیسیٰؑ ـــــ " جب تک میں نہ جاؤں وہ نہیں آئیگا " کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا ـــــ

اقوال حضرت عیسیٰؑ میں یہ فقرہ ـــ " وہ رہبر جہان ہوگا تم لوگوں کو کامل دین و مذہب کی رہنمائی کرے گا " " رسالت مرسل اعظمؐ کی بھرپور خبر دے رہا ہے۔ بلکہ یہ پتہ چلتا ہے کہ جناب عیسیٰؑ مرسل اعظمؐ کی شریعت کو کامل دین تصور کرتے تھے۔

یا جناب عیسیٰؑ کا یہ فقرہ ـــــ وہ میری تصدیق کرے گا اور لوگوں سے ہماری تکریم و تعظیم کا اقرار لے گا۔

کیا جناب مرسل اعظمؐ کے علاوہ بھی کوئی نبی ہے جس نے جناب عیسیٰؑ کی حمایت کی ہو یا یہود نے جناب مریمؑ کی طرف جو ناروا نسبت دی ہے اس کا دفاع کیا ہو ـــ؟

کوئی عاقل نہیں کہتا کہ جناب " روح القدس " نے

جناب عیسیٰؑ کی عظمت و بلندی کا اقرار لیا ہو یا جناب مریم کی طرف لگائی ہوتی نازیبا نسبت کا دفاع کیا ہو۔

اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ " روح القدس" اور روح راستی سے مراد مرسل اعظمؐ کی ذات گرامی ہے کیونکہ گذشتہ کتابوں میں آنحضرت کو لفظ " فارقلیط" سے پہچنوایا گیا ہے۔ "فارقلیط" عبرانی زبان کا لفظ ہے یہ لفظ "احمد" و "محمد" کے جو معنی ہیں اسے ادا کرنا ہے۔

انجیل میں آنحضرتؐ کو " پریکلیتوس " سے تعبیر کیا ہے یہ خاص یونانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی بھی احمد ہی کے ہیں لیکن انجیل کا ترجمہ کرنے والوں نے وقت ترجمہ " پاراکلیتوس" خیال کرتے ہوئے اس کے معنی " تسلی دہندہ " کے تحریر کئے ہیں۔

ڈاکٹر " بوکائی " نے اس ضمن میں نہایت عمدہ نظریہ کا اظہار کیا ہے:۔

انجیل یوحنا کے ابواب میں زیادہ تر
مستقبل کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے

سبھی ابواب اس انداز پر مرتب ہوئے
ہیں جیسے کوئی استاد اپنے شاگردوں
کو آخری بار رخصت کر رہا ہو۔ انجیل
یوحنا کے ابواب کا محور اصلی جناب
عیسی کی وہ خبریں ہیں جو انھوں نے
مستقبل کے بارے میں دی۔ بظاہر
جناب عیسی کے مخاطب انکے شاگرد تھے
لیکن درحقیقت وہ اپنے شاگردوں
کے ذریعہ بنی نوع انسانی کو آئندہ
کی خبریں دینا چاہتے تھے اور انہیں
اپنے بعد کے رھبر کی اتباع و تقلید
کیطرف متوجہ کرنا چاہتے تھے

متن انجیل یوحنا میں رھبر آئندہ
کا نام یونانی زبان میں "پاراکلیتوس"
تحریر کیا ہے جیسے فرانسیسی میں "پاراکلت"
یعنی "فارقلیط" کہتے ہیں

تعجب خیز بات ہے کہ جناب عیسیٰ
نے اپنے بعد والے آخری رھبر کیلئے
فرمایا کہ وہ خود سے کلام نہیں کرے گا اور
تمہیں مستقبل کی خبر دے گا ـــ بجائے
اسکے کہ ان صفات کے تذکرہ کے بعد
نام بیان فرماتے " روح القدس " کہہ
کر آگے بڑھ گئے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ روح القدس
کیلئے کسطرح ان فقروں کو منسوب
کروں ـــ وہ خود سے کلام نہیں کرتے"
میرے نزدیک اس فقرہ کی ابتک تفسیر و توجیہ
نہیں ہوئی ہے ۔ اس فقرہ کی اہمیت و
وحیثیت کو سمجھنے کیلئے ضرورت ہے
کہ اصل انجیل کو نکال کر دیکھا جائے
کیونکہ انجیل کا وہ نسخہ جسے یوحنا نے تحریر
کیا تھا اسکی زبان یونانی تھی ـ جناب عیسیٰ

نے انجیل یوحنا ہی کی روشنی میں کہا تھا کہ۔
میں اپنے خالق سے کہوں گا کہ تمہارے
لئے "فارقلیط" کو روانہ کرے جناب عیسی
کے اس فقرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانوں
کی ہدایت کیلئے کسی دوسرے ہادی کی ضرورت
ہے
اسی جگہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی
کہ فارقلیط و یوحنا بھی جناب عیسی کیطرح
ایک بشر تھے۔ جن میں وحی کے سننے اور عوام
تک پہنچانے کی صلاحیت تھی ۔۔۔
اگر متن انجیل یوحنا کے صحیح معنی بیان
کئے جائیں تو یہ ہونگے کہ جناب عیسی نے
اپنے بعد ایک ایسے نبی کے آنے کی خبر دی
جو یوحنا کے بیان کے مطابق خدا کی
طرف سے پیام وحی سنے گا اوا عوام
کو سنائے گا ۔۔۔

بہت ممکن ہے کہ آج جو انجیل کے
نسخے ہمارے ہاتھوں میں ہیں عملاً اس میں
کلمہ "روح القدس" بڑھایا گیا ہو تاکہ
جناب عیسیٰ کے بعد آنے والے نبی کی خبر
کو دبایا جا سکیں۔ ؎۱

فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں کلمہ محمدؐ کے ضمن میں ملتا ہے ؎۲

محمدؐ دین اسلام کے بانی و موسس اور
خدا کے آخری پیغمبر ہیں ۔ محمدؐ کے معنی ہیں
جسکی حمد کی جا چکی ہو" محمدؐ، حمد سے نکلا ہے
جسکے معنی جلالت و بزرگی کے ہیں، یہ بھی
اتفاق ہے کہ اسی مادہ حمد سے احمد بھی مشتق
ہے۔ اسکے بھی وہی معنی ہیں جو محمد کے ہیں،
زیادہ امکان یہ ہے کہ حجاز کے عیسائیوں

؎۱ توارات انجیل و قرآن و علم ص ۱۵۴ ــ ۱۵۰

؎۲ ج ۲۳ ص ۴۱۷۴

نے اسے "فارقلیط" کے معنی میں استعمال
کیا تھا ــــــ
احمد کے معنی بہت زیادہ تعریف و حمد کرنے
والے کے ہیں۔ یہ "پریکیتوس" کا ترجمہ ہے
غلطی کی وجہ سے پریکیتوس کی جگہ "پاراکلیتوس"
استعمال ہونے لگا۔
اسلامی مورخین نے برابر کہا اور کہا کرتے ہیں
کہ "پریکلیتوس" سے مراد جناب پیغمبر آخرالزمان
ہیں۔ قرآن نے بھی سورہ صف میں اس
اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے
فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا نے ان آیات کا تذکرہ کیا ہے۔
جس وقت عیسی نے بنی اسرائیل سے کہا
میں خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا
ہوں توریت کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہوں
ایک پیغمبر جس کا نام احمد ہوگا وہ میرے بعد آئے
گا جب وہ پیغمبر آئے گا تو لوگ اسے کھلا

ہوا جادو گر تصور کریں گے ؎۱

اے گروہ یہود و نصاری جو ہمارے
نبی کے قدم بہ قدم چلتے ہیں جنکی بشارت کو
کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے
ہیں ۔ وہ نبی جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور
برے کام سے روکتا ہے اور جو پاک و پاکیزہ
چیزیں ہیں انھیں حلال اور جو ناپاک ہیں
اسے انھیں حرام کر دیتا ہے اور وہ سخت
احکام کا بوجھ جو انکی گردن پر تھا اسے ہٹا دیتا
ہے ۔ پس جن لوگوں نے اس نبی کی پیروی
کی اور اسکے احکام پر عمل کیا وہ رستگار ہیں ؎۲

؎۱ ۔ سورہ صف آیت ۶

؎۲ ۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۶

رازِ خاتمیت۔۹

پیغمبرِ اسلامؐ

کی خاتمیت کا عقیدہ اسلامی عقاید کا اہم جز ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد پھر کوئی نبی ورسول مبعوث نہیں ہوگا۔ قرآن نے شدت سے اس پر زور دیا ہے۔

جب کبھی اسلام کا تذکرہ آتا ہے فوراً ذہن میں یہ خیال بھی گردش کرنے لگتا ہے کہ اس اسلام کا لانے والا سلسلہ ہدایت کی آخری فرد ہے۔ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو اجمال رسالتؐ کے تصور کے بعد "خاتمیت" آنحضرتؐ کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب نہیں جو یہ دعویٰ کرسکے کہ اس کا مذہب آخری مذہب ہے یا غیراز محمدعربیؐ کوئی آسمانی نمائندہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا دین آخری دین ہے۔

چودہ صدیاں گذر چکی ہیں جس میں مرسل اعظمؐ کو "خاتم المرسلین" کے لقب سے پکارا جا رہا ہے۔ آپ کی ذات پر گذشتہ شریعتوں کی تکمیل ہوئی، آپؐ کے قوانین واصول نے بعثت انبیاءؑ و مرسلینؑ کو ارتقائی منزل تک پہونچا دیا۔

مرسل اعظمؐ سے قبل کے مذاہب وادیان کسی خاص زمانہ اور وقت کے لئے تھے، جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو ساری شریعتیں آپ کے نظام وآئین میں خلاصہ ہو گئیں، آنحضرتؐ نے وہ نظام پیش کیا جو صدیوں اور قرنوں بعد بھی ناقابل عمل نہ ہو سکا اور نہ ہو گا۔

قرآن مجید نے آنحضرتؐ کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے اسی نکتہ پر زور دیا کہ آنحضرتؐ کی ذات پر باب نبوت و رسالت بند ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر ذھن سوچنے لگتا ہے کہ جب بعثت انبیاء حیات انسانی کے لئے بے حد ضروری و لازم ہے۔ تو پھر کیونکر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسلام کے اصول ہر طور سے

انسانی ضرورت کا حل ہیں ــــ وہی احکام و اصول ۔ جو چودہ صدیاں قبل بیان کیئے جا چکے ہیں ہر آنے والے سماج و معاشرہ کی ہر نئی ضرورت کا حل رکھتے ہیں ۔؟

عصر حاضر میں "سائنس" و "ٹکنالوجی" کی ایجادات نے انسان کو بالکل بدل کر رکھدیا ہے آج کے انسان کا قیاس مرسل اعظمؐ کے عہد کے انسانوں سے کیا ہی نہیں جا سکتا ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نظام چودہ سو سال قبل اپنے عقلی و استدلالی نظام کے ذریعہ بنی نوع انسانی کو اپنی طرف دعوت دے رہا تھا، آج کے انسانوں کو بھی اسی اسلام پر "بے چون و چرا" عمل کی دعوت دے رہا ہے ۔؟

کہیں یہ سوالات حیرت و استعجاب کا سبب نہیں کیونکہ جس قرآن نے مرسل اعظمؐ کو "خاتم النبین" کی حیثیت سے پیش کیا ہے اسی کے پاس اس کا جواب بھی ہے ۔

حضرات انبیاء کرامؑ کی پیہم بعثت کا ایک راز تو یہ ہے کہ وہ آسمانی کتابیں جو بنی نوع انسانی کی ہدایت

کے لیے نازل کی گئی تھیں، تحریف و تغیر کا شکار ہو گئیں، جس کے نتیجہ میں وہ " احکام " جو منشاء الٰہی کے مطابق تھے فوت ہو گئے۔ لیکن جس وقت انسانی فکر و شعور ان منزلوں میں پہنچ گیا جہاں وہ اپنے مذہبی آثار و دینی سرمایہ کو تحریف و تغیر سے بچا سکے تو پھر فطری طور سے کسی نبی و رسول کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔

عہد مرسل اعظمؐ دوسرے انبیاء و مرسلین کے جیسا نہ تھا، آنحضرتؐ کے زمانہ میں فکر و شعور بیدار تھا، انسانوں میں اپنے آثار مذہبی کے حفاظت کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ لہذا ایسی صورت میں کسی نبی کے بھیجے جانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور جب کبھی انسانی علم و دانش اس منزل تک پہنچ جائے کہ وہ اپنے دینی و مذہبی آثار کی حفاظت کرے تو خود بہ خود خاتمیت رسالت کے امکان فراہم ہو جاتے ہیں۔

خاتمیت رسالت کے بعد مذہبی ذمہ داریاں علماء و مفکرین کے کاندھوں پر آئی ہیں کہ وہ تبلیغ و تنبیہ

کے ذریعہ عوام کو جادہ حقیق سے بھٹکنے نہ دیں۔ اپنی سماجی و معاشرتی ارتقاء کیوجہ سے اپنی مذہبی کتاب کو ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے بچاتے رہیں کیونکہ اب کتاب کسی خاص شخص کی میراث نہیں بلکہ پوری بنی نوع انسانی کی میراث ہے، اور اب کوئی ایک شخص جواب دہ نہ ہوگا بلکہ ہر شخص کو جواب دہ ہونا ہوگا۔

قرآن کا ارشاد ہے:۔

تم میں سے ایسے لوگوں کا بھی
ایک گروہ ہونا چاہیئے جو لوگوں کو
نیکی کی طرف دعوت دے،
اور برائی سے روکے۔ [1]

اب انسان ارتقاء کی ان منزلوں میں قدم رکھ چکا ہے جہاں عصری موشگافیاں اس پر مؤثر نہیں ہوتیں، اگرچہ سلسلۂ نبوت قطع ہو چکا ہے لیکن اس میں صلاحیت موجود ہے

---

[1] آل عمران ۱۰۴

کہ سرچشمہ وحی سے اپنی بصیرت و فہم کے ذریعہ اپنی آئندہ راہ معین کرے۔ اب ضرورت صرف اس بات کی کہ ان موانع کا سدباب ہوتا رہے جو فکر و تدبّر کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

دینی و آسمانی کتابوں میں صرف قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جو حوادث زمانہ سے محفوظ رہی' آج ہمارے سامنے قرآن کے وہی الفاظ جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئے بغیر کسی ردوبدل کے موجود ہیں ـــــ قرآن اس کی طرف خود اشارہ کرتا ہے:۔

میں نے اس کتاب کو نازل
کیا اور میں خود اس کا
محافظ ہوں۔ [1]

قرآن کریم کی اس آیت نے صاف و صریح طور سے اشارہ کر دیا کہ مرسل اعظمؐ کے بعد کسی نبیؑ کی ضرورت اس لئے نہ رہی کہ وہ کتاب جو آنحضرتؐ پر نازل کی گئی

---

[1] سورۂ حجر ۔ ۹

تھی انسانی دست برد سے محفوظ رہ گئی۔

قرآن رسالت انبیاء کا مصدّق ہے

قرآن نے صرف گذشتہ آسمانی کتابوں کی عظمت و وقار کا اعتراف نہیں کیا بلکہ گذشتہ انبیاء کی صداقت وحقانیت کی بھی تائید و تصدیق کی مرحلہ دین میں انکے خدمات و زحمات کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن نے رہبران یہودیت و مسیحیت یعنی جناب موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ نہایت احترام واکرام سے کیا ہے۔ کیا ان حضرات کا تذکرہ اس احترام واکرام سے کرنا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلام کا رشتہ وحی سے ہے۔؟

درانحالیکہ بعض اہل کتاب نے اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ اہل کتاب کا حکم قرآن کی مخالفت کرنا اور قرآن کا اہل کتاب کے

قائد و رھبر کی توصیف و تعریف کرنا خود اس بات کی دلیل ہے
کہ قرآن بشری جنون اور جاہ طلبی و ہوس پرستی کے عنصر سے خالی ہے
قرآن کا ارشاد ہے :۔

میں نے برحق کتاب آپ پر نازل
کی یہ ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے
جو آپ کے پہلے نازل کی جا چکی ہے اور
گذشتہ کتابوں کی محافظ و نگراں ہے۔ ؎

دین ـــــ فطرت و ضمیر کی وہ آواز ہے جو نہاخانہ دل
سے نکل کر عقیدہ و عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ دین ہر دور
میں ایک رہا۔ لہذا کبھی دین کے اصولی مسائل میں اختلاف
نہیں رہا۔ خواہ وہ کسی نبی کا زمانہ کیوں نہ ہو

اے نبی ـــــ آپ باطل سے
کترا کر اپنا رخ دین کی طرف کئے
رہیں ۔ کیونکہ خدا نے مخلوقات کو

؎ ۔ سورۂ مائدہ آیہ ۴۸

اسی فطرت پر پیدا کیا ہے [1]

انسان بھی جزو کائنات ہونے کی حیثیت سے اسی فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ اس کی سعادت و خوش بختی اسی میں ہے کہ مذہب کے قانون پر عمل کرتے ہوئے زندگی گذار دے۔

"مین ٹسکو" کہتا ہے ــــــ

قانون آسمانی و انسانی میں فرق یہ ہے کہ قانون انسانی حوادث زمانہ کو قبول کرتے رہتے ہیں۔ لیکن قانون آسمانی حوادث زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے ان میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ انسانی فکروں نے جو قانون بنائے ہیں وہ اچھے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہیں لیکن مذہب نے جو قانون پیش کیا ہے وہ سب سے اچھا ہے۔ انسان کے بتائے ہوئے

---

[1] سورۂ روم آیہ ۲۹

قانون میں خوبیوں کے بہت سے گوشے
ہوتے ہیں جسمیں انسان کو اختیار رہتا ہے
جسے چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے
چھوڑ دے لیکن مذہب نے جو سب
سے اچھا راستہ پیش کیا ہے چونکہ اس کے
مقابلہ میں کوئی دوسرا راستہ نہیں لہٰذا
مذہب کے حکم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
انسانی قانون کیلئے امکان ہے کہ
کسی وقت میں ناقابل عمل قرار دیکر ترک
کر دیا جائے لیکن مذہب بہترین قانون
کو پیش کرتا ہے۔ چونکہ مذہب سے بہتر
قانون کا امکان نہیں لہٰذا مذہبی قانون
سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ ؎
اگر انسان مذہب کے قانون کو چھوڑ کر انسانی ڈھونڈ

؎ روح القدس ص۲۵

کے ڈھالے ہوئے قانون کا سہارا لے تو گویا اس نے کشادہ جادہ پر چلنے کے بجائے تنگ و تاریک گلی کا انتخاب کیا۔

مرسل اعظمؐ کے نظام اور دوسرے انبیاء کے نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انبیاء ماسبق کا نظام ایک محدود مخصوص ملت کیلئے تھا۔ اسلام کے ظہور کے بعد وہ ادیان اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے سبب اسلام کے ہمہ گیر نظام کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اسلام اپنے دامن میں انسانی زندگی کے ہر موڑ کے لئے ناقابل انکار اصول و ضابطہ رکھتا ہے۔ انسان اپنی مادی و روحانی زندگی میں اسلام کا محتاج ہے۔

مرسل اعظمؐ کے بعد کسی نبی و رسول کی ضرورت اس لئے بھی نہ ہوئی کہ مبلغین مذہب نے اپنے انداز تبلیغ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے انداز تبلیغ اور خود اسلام کے بتائے ہوئے اصول کو مدنظر رکھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بھی کوئی مسئلہ سامنے آیا اسے مبلغین مذہب نے قرآن کی مہک و ترازو پر تول کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا

انسان نے جب اپنی فکری ارتقاء کے سبب یہ

صلاحیت پیدا کرلی کہ قوانین الٰہی کی تہہ تک پہنچ جائے تو وہ کام جو حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے ذریعہ لیا گیا اسے علماء و متفکرین کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ آسمانی کتاب میں غور و خوض کر کے حکم الٰہی کا استنباط کرتے رہیں ۔

علماء اعلام نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر تحقیق و اجتہاد کی سنگلاخ وادیوں سے گذرنا گوارہ کیا اور کتاب آسمانی میں کسی قسم کی تحریف و تبدیلی کو راہ نہ دی ۔ جبکہ میں قبلاً تحریر کر چکا ہوں کہ تحریف کتاب بھی تجدید رسالت کا ایک بہت اہم سبب ہے ۔

بہت سے لوگوں نے قرآن کی آیات کی تلاوت سے اسرار ہستی اور نظام عالم پر حکمران ذات کا اعتراف کر لیا ہے

اگر کوئی شخص عقل و دانش، فکر و نظر، اور قرآن کی پیش کردہ تاریخ پر غور و خوض کرے تو قانع و مطمئن ہو جائے گا کہ مرسل اعظمؐ کا "خاتم المرسلین ہونا حق اور مطابق عقل ہے ۔

چونکہ نزول قرآن کے وقت استعداد انسانی اس مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی کہ حالات کا عمیق نظروں سے مطالعہ کرے اور تجزیہ و تحلیل کے بعد کسی نتیجہ تک پہنچ جائے انسان کی اس استعداد و صلاحیت نے راہ علم میں اس کی ذمہ داریوں کو بڑھا دیا۔

مرسل اعظم کے بعد کسی دوسرے نبی کی ضرورت اس لئے نہ ہوئی کہ وہ الٰہی قانون جو انسانی حیات کیلئے ضروری تھے مکمل طور پر نازل ہو چکے تھے ــــ اسے اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اگر آثار قدیمہ والوں نے اپنی پوری کوشش و جدوجہد کے بعد کسی پرانے آثار کا پتہ لگا لیا ہے تو اس تلاش کے بعد مزید کسی آثار کے پائے جانے کا امکان نہیں کیونکہ پہلی ہی بار تلاش کرنے والوں نے ہر رخ اور ہر پہلو سے پتہ لگا لیا تھا یہی انداز نزول وحی کا بھی ہے۔ عہد مرسل اعظم میں انسانی ضروریات کے ہر رخ کو مدنظر رکھتے ہوئے احکام نازل کر دئے اب مزید کسی نبی و رسول کے آنیکی ضرورت نہیں ــــ اسلام

اپنے دامن میں ہر قسم کے اشکالات، سوالات، اور مسائل و مشکلات کا حل وجواب رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے کسقدر دلنشین مثال سے اس نکتہ کیطرف اشارہ فرمایا ہے۔

میری حیثیت ایک گھر کی سی
ہے۔ جسکی تعمیر ہر طور سے تکمیل ہو چکی ہو
صرف ایک خشت رکھنے کی جگہ باقی ہو
اور اس خشت کو میں نے اپنے ہاتھوں
سے رکھ دیا۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے فریضۂ منصبی کو ادا کر دیا، انسان کی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو پیدا کر دیا، اسی طرح مولائے کائنات نے اشارہ فرمایا تھا "یثیروالھم دفائن العقول" کہ اللہ نے حضرات انبیاء کرام کو اس لئے مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسانی فکروں کے دفینہ کی نشاندہی کریں، حضرات معصومینؑ نے انسانوں کو عقل و نور کی دہلیز پر لاکر کھڑا کر دیا لیکن ان سب کے باوجود ان کا رشتہ ہم سے منقطع نہیں ہوا۔

آج بھی ہمارے درمیان انکا روحانی و معنوی رشتہ باقی

ہے اگر کوئی روحی ارتقاء معنوی عروج کمال کا خواہاں ہے تو انھیں حضرات معصومین ؑ سے رشتہ استوار کرنا ہوگا۔

حضرات انبیاء معصومین ؑ کے توسل وارتباط سے انسان اپنی استعداد وخلاقیت کو عملی جامہ پہنانا ہے ــــ اور راز ہستی کو سمجھنے کیلئے "اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند" کے مقولہ پر کاربند ہوتے ہوئے زمین پر خدا کا وارث بنتا ہے ــ لہذا یہی وجہ ہے کہ بہت سے خدا رسیدہ وخدا شناس رسالت ونبوت کے عہدہ پر فائز ہوئے بغیر روحانیت ومعنویت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور ہیں ــــ

آج بھی جو شخص چاہتا ہے "رحمت الٰہی" کا محل ومرکز قرار پائے تو اسے چاہئیے کہ اپنے نہاخانہ دل کو مادی کثافت وگندگی سے پاک وصاف رکھے گناہوں اور آلودگیوں سے بچاتا رہے

فیض الٰہی کا دروازہ آج بھی کھلا ہوا ہے اسکے چشمۂ فیض میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی ہے اس فیض سے بہرہ مند ہونے کیلئے سلیقہ وشعور درکار ہے ـ جس شخص کے ظرف میں جتنی طاقت ہوگی وہ اسی قدر بہرہ مند ہو سکتا ہے ؛ ــــــــ

مادہ پرستوں سے دو باتیں

جب کائنات کی ہر شئی اپنے اندر تغیر و تبدیلی رکھتی ہے تو پھر کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ وہ اسلام جو چودہ صدیاں قبل آیا تھا آج تک اس کے اصول بغیر کسی رد و بدل کے باقی ہیں ۔؟

مادہ پرستوں کے اعتراض کا پہلا جزء صحیح ہے کہ کائنات کی ہر شئی میں تغیر ہوا کرتا ہے لیکن اس تبدیلی کی وجہ سے اسلام میں تبدیلی ہونا چاہیئے درست نہیں ۔ کیونکہ حوادث زمانہ کا اثر موجودات عالم پر ہوتا ہے قانون و نظام پر نہیں حوادث قانون و نظام کو متاثر نہیں کرتے ۔ نظام و قانون زمانہ کی گرفت سے خالی ہیں اس کا خالی ہونا ہی اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا سبب ہوا ۔ اسے ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے ۔

زمین و آسمان، ماہ، انجم پیدا ہوئے اور اپنے مدار

میں گردش کر رہے ہیں ان کی نورانیت سے ہم استفادہ کر رہے ہیں جیسے جیسے زمانہ گذرتا جا رہا ہے اس میں قدامت و کہنگی پیدا ہو رہی ہے لیکن قانون جاذبہ اپنی جگہ بغیر کسی کہنگی و قدامت کے باقی ہے ـــــ یا مثلاً انسان قانون الٰہی کے پیش نظر پیدا ہوتا ہے مادر گیتی کی آغوش میں پروان چڑھتا ہے، عمر کے زینوں کو طے کرتا رہتا ہے، ضعیفی و ناتوانی کے دور کا سامنا کرتا ہے اور آخر میں یہ انسان حوادث زمانہ سے شکست کھا کر آغوش لحد میں سو جاتا ہے لیکن وہ قانونِ پیدائش جو کل تھا آج بھی بغیر کسی تغیر کے باقی ہے ـــ یا مثلاً حرارت کی مختلف ڈگریاں ہیں مختلف رخ سے اس کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں لیکن ایک وقت وہ آتا ہے جب جوش کھاتا ہوا پانی سرد ہو جاتا ہے اس میں تغیر تو رونما ہوا لیکن قانون حرارت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔

اگر قانون کی تشکیل کے وقت فطرت و سرشت انسانی کو محور و مرکز قرار دیا جائے تو پھر کسی طرح قانون میں تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حوادث زمانہ انسان پر اثر

ڈالتے ہیں ذات انسانی اس کی تاثیر سے خارج ہے۔

اسلام کے موسس حضرت مرسل اعظمؐ نے ہماری دنیا سے نظریں موڑلیں وہ وادی خموشاں میں جاکر محو خواب ہیں لیکن انھوں نے چونکہ اپنا قانون انسانی فطرت وسرشت کو دیکھتے ہوئے پیش کیا تھا لہذا ان کے چلے جانے کے بعد بھی وہ اپنی بھرپور تازگی کے ساتھ باقی ہے۔

اسلام اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کا مجموعہ نہیں جو آئے دن کی تبدیلیوں کا شکار ہوتا رہے۔ بلکہ اصول وفروع کا مجموعہ ہے۔

اسرار ہستی سے جگمگا رہا ہے۔ ایک ایسی کتاب ہے جو فطرت کے اصولوں پر تدوین پائی جو کبھی بھی تبدیل نہیں کی جاسکتی۔

اسلام کسی خاص گروہ، جماعت، ملک اور رنگ ونسل کے لئے نہیں ہے، نہ تو یہ صرف عربوں کے لئے آیا تھا اور نہ صرف عجمیوں کے لئے نازل ہوا بلکہ اس نے اپنا مخاطب مادر گیتی کی فرد فرد کو قرار دیا ـــــ اس کا اعلان ہے:۔

اے انسانوں میں نے تم سب کو مرد
وعورت کے اجتماع سے پیدا کیا اور
تم کو پھر مختلف گروہوں اور قبیلوں
میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو
پہچان سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں
سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب
سے زیادہ متقی ہو۔ [1]

سورہ اعراف میں ارشاد الٰہی ہے:۔

اے بنی آدم
ہوشیار رہو کہیں شیطان تمہیں فریب
نہ دے جس طرح اس نے تمہارے
باپ آدم اور ماں حوا کو بہشت سے
نکالا اور لباس عزت ان سے چھین
لیا۔ [2]

---

[1] حجرات ۱۲ [2] اعراف ۲۵

یہ یاد رہے کبھی بھی کسی مستقل اور عقلی قانون سے ارتباط رکھنا علم و دانش اور حیات کے شعبوں میں رکاوٹ کا سبب نہیں بنتا۔

انسان کا مرحلہ ارتقاء میں قدم رکھنا بہت سی ضرورتوں کو ایجاد کر دیتا ہے یہ وہ قانون ہے جو انسانی سرشت میں پلتا رہتا ہے۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس احتیاج و ضرورت میں پائیداری آتی رہتی ہے ـــــ جب تک انسان اس روئے زمین پر ہے اس کی ذات میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی، وہ عناصر جو اس کی ذات کو تشکیل دیتے ہیں وہ کبھی حوادث کو اس کی ذات میں داخل ہونے نہیں دینگے۔ صرف انسانی جسم حوادث کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

مثلاً اس عصر نو میں زندگی کی سہولت کے بہت سے امکان پیدا ہو چکے ہیں ـ انسانی خلاقیت نے نہ جانے کس قدر عیش و عشرت کے امکانات مہیا کر رکھے ہیں ـ آج کی ٹکنالوجی نے انسانی زندگی میں بیحد تبدیلیاں پیدا کر دیں ہیں لیکن یہ ساری تبدیلیاں انسانی زندگی میں رونما ہوئی،

ہیں ان تبدیلیوں کا سرشت و فطرت سے قطعاً کوئی ربط نہیں۔

لیکن ان ایجادات کا یہ مقصد نہیں کہ انسان پورے طور سے عصری عیش و عشرت کے سامان میں ڈوب جائے اور خالق ہستی کے احکام سے منھ موڑ لے۔

عصر جدید کی ایجادات نے سماج و معاشرہ میں غیر محسوس ارتقاء پیدا کر دی ہے اس موقع پر ضرورت ہے اسلامی مفکرین مذہب کے فروعی و اصولی مسائل ضرورت زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش کریں تاکہ اسلام اس عصری سائنس میں مورد عمل بن سکے۔

اسلام نے اپنے دامن میں اصول و فروع کے درمیان کچھ فرق رکھا ہے۔ کچھ وہ اصول ہیں جن میں تبدیلی کسی قیمت پر تصور نہیں کی جا سکتی اور کچھ وہ ہیں جو قابل ترمیم و تنسیخ ہیں مثلاً اسلام کے وہ قوانین جس میں اس نے ملک کے امن و امان، تجارت کے انداز، عالمی سیاست کا سلیقہ دفاعی احکام، اور دفاتر و اسپتال کے اصول کا تذکرہ کیا ہے

ان سارے احکام کے نفاذ کو حکومت اسلامی پر منحصر کیا ہے ــــ ان مسائل کے لئے امکان ہے کہ زمانہ کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی رہے ــــ اس تبدیلی کا مقصد سماجی زندگی میں توازن پیدا کرنا اور موجودات کے ذریعہ انسانی علم و دانش کو فروغ دینا مقصود ہوتا ہے ـ لیکن جن مسائل کا تعلق انسان کی ذات سے ہے وہ ہمیشہ یکساں رہ جائیں گے ـ ان میں کسی قسم کی رد و بدل نہیں ہوگی خواہ زمانہ میں ہزاروں انقلاب ہی کیوں نہ آجائیں ـ

مثلاً ــــ اولاد سے ماں باپ محبت فطری و قہری ہے اس کا قطعاً کوئی ربط حوادث زمانہ سے نہیں اور نہ کسی وقت اس میں ترمیم کی ضرورت ہے ــــ اسی محبت کے سہارے قانون میراث وجود میں آیا جس میں کسی قسم کی تبدیلی صبح قیامت تک نہیں ہوگی ـ

جب روح نے پیکر انسانی میں جان پیدا کر دی، اور فکر و شعور کی کرنیں شش جہت میں پھوٹنے لگیں اسی دن سے انسانی تہذیب و تمدن میں رونما ہونے والے

نشیب و فراز، اس کی اجتماعی ضروریات، ارتقائی امکانات، گھریلو زندگی کے لوازمات کا تذکرہ پوری تفصیل سے اسلام کے آئین واصول میں دیکھا جاسکتا ہے۔

انسان کی بنیادی ضروریات بحیثیت انسان کے جو کل تھیں آج بھی باقی ہیں اس میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا اور نہ انسان کی بنیادی ضروریات میں ہی فرق پیدا ہوگا۔ اور جب اس کی ضروریات میں تبدیلی و ترمیم کا امکان نہیں تو پھر ان اصولوں میں کیونکر ترمیم کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔

اسلام نے شوہر پر بیوی کا حق، انسان پر معاشرہ کا حق، معین کیا ہے اسلام نے ایمانداری کی تاکید کی، کذب و دروغ سے روکا، امانتداری کو مستحسن قرار دیا، ظلم سے باز رکھا، اس جیسے ہزاروں احکام بنائے کیا یہ وہ احکام ہیں جس میں کسی وقت تبدیلی کی جاسکتی ہے ــــــ؟ یہ احکام ہمیشہ ہمیشہ یکساں رہیں گے خواہ نفاذ ہوسکے یا نہ ہوسکے ــــ

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم اصول مسائل میں ترمیم پیدا کریں کیونکہ ہماری نگاہوں میں ان باریکیوں

کی گرفت نہیں کرسکتیں جو ہمارے وجود میں پوشیدہ ہیں۔ ظاہری حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قانون وجود میں آئیگا وہ ناقص و ناتمام رہے گا۔ اور اگر انسان اسی طرح فروعی مسائل میں نہ بدلنے والے قانون پر عمل کرتا تو یہ بھی اس کی کم فکری وضعف فہم و فراست کا سبب ہوتا۔

اسلام انسان کو صرف اس اصول و زندگی کیطرف دعوت نہیں دیتا جو اسے سعادت و نیک نامی کی طرف لیجائے بلکہ جو شخص اسرار ہستی پر غور و خوض کرتا ہے اس کی بیحد سرائی بھی کرتا ہے۔ اس کی یہی مدح سرائی و حوصلہ افزائی اسکی تحقیق و تلاش کا سبب ہے۔

اسلام نے انسان کو ظاہری زندگی میں مختار قرار دیا ہے تاکہ ہر انسان اپنی ضروریات کے پیش نظر جدوجہد کرے، موانع کو برطرف کرے، مشکلات کا حل پیدا کرے اور اس طرح ترقی کی گوناگوں راہیں سامنے آتی رہیں گی۔

چونکہ اسلام انسانیت کے کمال کا داعی ہے اور اس کے سارے اصول، عقل و منطق کی بنیاد پر رکھے گئے

ہیں لہذا عقل و شرع کے درمیان فاصلہ و جدائی ناممکن قرار دیا ہے ۔ اسلام عقل انسانی کی عظمت و رفعت کا قائل ہے اسے احکام اسلامی کے استنباط کے اصولوں میں قرار دیا ہے بلکہ بہت سے مسائل کا فیصلہ عقل کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے ۔

اسلام کے ابدی و دائمی ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں کو ہر زمانہ میں تحقیق و جستجو کی دعوت دی ہے ۔ بہت سے اختیارات حکومت اسلامی کے حوالہ کئے ہیں تاکہ کسی وقت بھی کوئی انسان درپیش مسئلہ کے سبب گرفتار بلا نہ ہو سکے ۔ حکومت اسلامی کو حق حاصل ہے کہ " اصول کلی " پر استناد کرتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسا قانون وضع کرے جو ضرورت زمانہ کے ہم آہنگ ہو ۔ خصوصاً آج " ٹکنالوجی " کے زمانہ میں جب کہ انداز زندگی بے حد بدل چکا ہے ۔ اس ترقی یافتہ زندگی کے لئے مذہب کے جدید احکام پیش کرے تاکہ اسلام عصری زندگی کے مطابق ہو سکے ۔ اسلام جہاں ایک طرف نیرنگی زمانہ کے مقابلہ میں

قانون سازی کی اجازت دیتا ہے اسی طرح اس قانون کے نفاذ کی بھی تاکید کرتا ہے۔ تاکہ ملت اسلامیہ زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہو سکے۔ اسی لئے اسلام نے فقہا اسلام کو اجازت دی ہے کہ جب کبھی دو مصلحت دو مختلف پہلوؤں سے ٹکرا رہی ہو اس وقت ان میں سے جو سب سے زیادہ اہم ہوگی اسے اختیار کیا جائے گا اور کم اہم کو نظر انداز کر دیا جائیگا۔ یا اگر کسی وقت احکام دین انسان کے لئے زحمت و مشقت کا سبب بن رہا ہو تو اس وقت اسلام اپنی تکلیف اس سے اٹھا لیتا ہے۔ "مثلاً مریض سے روزہ" ایسے بہت سے مواقع ہیں جہاں اسلام نے اپنے ماننے والوں کی بیچارگی و مجبوری میں دستگیری کی اور ثابت کیا کہ اسلام ہمیشہ باقی رہنے والا زندہ نظام ہے۔

والسلام

السید حسین مہدی الحسینی

مدرسہ فیضیہ قم ایران

فہرست

اھداء	
اپنی بات	
پرتورسالت	۱
ورقہ کی تقریر	۱۵
آغازبعثت	۱۸
اثرات وحی	۲۱
دشمن کی چال	۳۰
صبح ہجرت	۳۶
مدینہ ہجرت سے قبل	۳۹
مخالفین کا جواب	۴۹
تلوار اٹھالی	۵۲
قرآن کی حقیقی معرفت	۵۹
قرآن کی بے نیازی	۶۷

قرآنی چیلنج ۷۵
قرآنی چیلنج میں نرمی ۸۰
علم جدید سے قرآن کا رشتہ ۹۵
قرآن اور ترقی جدید ۱۱۹
قرآن نے جو کہا وہ ہوا ۱۴۴
ایک دوسری خبر ۱۴۹
آمدم بر سر مطلب ۱۵۳
اسلامی انداز ۱۵۸
نہ بدلنا تھا نہ بدلا ۱۶۰
قرآن کے لافانی پہلو ۱۷۱
قرآن کی گہرائی ۱۸۵
بشارت مسیح ۲۰۰
راز خاتمیت ۲۱۹
قرآن رسالت انبیاء کا مصدق ہے ۲۲۵
مادہ پرستوں سے دو باتیں ۲۳۴